بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا صدق اللہ العظیم
فیض الکریم
تالیف
حضرت مولینا قاضی عالم الدین رحمۃ اللہ علیہ
زیر اہتمام
صاحبزادہ جمیل الرحمٰن آستانہ عالیہ عیدگاہ شریف
راولپنڈی (پاکستان)

○

تالیف

حضرت مولٰینا قاضی عالم الدین رحمۃ اللہ علیہ

○

زیرِ اہتمام

صاحبزادہ جمیل الرحمٰن آستانہ عالیہ عیدگاہ شریف

راولپنڈی (پاکستان)

نام کتاب ــــــــــــ فیضُ الکریم
مؤلف ــــــــــــ حضرت مولینا قاضی عالم الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
تاریخِ اشاعت ــــــــــــ ۶ ستمبر ۱۹۸۶ء بمطابق یکم محرم الحرام ۱۴۰۷ھ
کتابت ــــــــــــ خوشی محمد ناصر قادری خوشنویس خوش رقم جالندھری
بہ اہتمام ــــــــــــ صاحبزادہ جمیل الرحمٰن
تعداد ــــــــــــ گیارہ صد (۱۱۰۰)
مطبع ــــــــــــ کمبائن پرنٹرز، بلال گنج لاہور

ملنے کا پتہ

رحمانیہ دارُالمطالعہ، آستانہ عالیہ عیدگاہ شریف

راولپنڈی (پاکستان)

فہرست مضامین

تعارفِ مؤلّف

بحمد اللہ تعالیٰ یُوں تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے دینِ اسلام کی خدمت کے لیئے جس طرح بعض افراد کو چُن لیا بالکل اُسی طرح ان ہی پاکبازو پاک طینت بندگانِ خُدائے کریم کے طفیل بعض جگہوں کو شریعت وطریقت اور معرفت وحقیقت کی تربیّت گاہوں کے طور پر منتخب فرمالیا۔ مگر جب کسی ولیٔ کامل کی نگاہِ انتخاب کسی پر اُٹھ گئی تو پھر فیوض و برکات کے سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگ گئے۔ پھر ایک طرف تو افرادِ نسلِ انسانی آسمانِ رُشدو ہدایت کے روشن ستارے بن کر چمکنے لگے اور دُوسری طرف زمین کے جس جس حصّہ میں اُن کے مُبارک قدم پڑتے گئے وُہ جگہیں بھی اُن کی نُورانی کرنوں سے جگمگ کرنے لگیں۔

حضرت خواجہ حافظ عبد الکریم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نگاہ پُر تاثیر نے جہاں اَوروں کی قسمت کو جگایا وہاں سیالکوٹ کے موضع بھڈیار میں پیدا ہونے والے حضرت مولٰینا قاضی عالم الدّین رحمۃ اللہ علیہ کو بھی شریعت وطریقت کی تعمیل وتعلیم کے لیئے پسند فرماکر اَوجِ ثریّا پر پہنچادیا۔ آپ کے والدِ ماجد کا نام قاضی غُلام مصطفٰے تھا۔ آپ کا گھرانا ایک علمی خانوادے کی حیثیّت سے مشہور و معرُوف تھا۔ اسی لیۓ پُورا خاندان مختلف مجاذیب و اہلُ اللہ سے عقیدت و محبّت رکھتا تھا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ سیالکوٹ سے لاہور تشریف لے گئے۔ اور وہاں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اپنی خُداداد صلاحیتوں کی بناء پر ہمیشہ نمایاں پوزیشن حاصل کرتے رہے۔ شروع ہی سے اہل اللہ تعالیٰ سے قلبی عقیدت کی بناء پر ہی آپ خصُوصی طور پر وقت نکال کر لاہور ہی میں کشمیری بازار کے ایک درویش بابا چراغ سبزی فروش کے پاس جایا کرتے تھے۔ وہیں ایک دفعہ ایک مجذُوب فقیر کی کرامت دیکھ کر آپ کے دل میں اللہ والوں سے عقیدت رکھنے کے صِلہ میں ہی یہ خیال پختہ ترین ہوگیا کہ اَب مجھے کوئی مردِ خُدا ملے تو اُس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دُوں چُنانچہ آپ نے تلاش وجستجو شروع کردی۔ اسی اثناء میں لاہور سے فارغ التحصیل ہوکر گوجرانوالہ میں جب فارسی کی تعلیم دینے لگے تو شہر کے ایک کُتب فروش کے ہاں آپ کی مُلاقات حضرت خواجہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مُمتاز خلیفہ بابُوکرم دین رحمۃ اللہ علیہ سے ہُوئی۔ بس پھر ان ہی کی وساطت سے عیدگاہ شریف تک رسائی ہوگئی۔ واقعہ یوں ہوا کہ ایک دِن حضرت خواجہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مُریدین کی قلبی خواہش کو قبول فرماتے ہُوئے اپنے دَورے کے دَوران جب گوجرانوالہ تشریف لائے تو آپ کے خلیفہ بابُو کرم دین رحمۃ اللہ علیہ آپ سے یُوں عرض گزار ہُوئے۔ "حضُور! یہ قاضی صاحب آپ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں"۔ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی صاحب کی طرف نگاہِ ولایت اُٹھائی اور اُن کے قلبِ منتظر

کا تزکیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "پڑھے لکھے مولوی آزمائش اور امتحان کے لئے آتے ہیں خالص نیت سے نہیں آتے"۔ حقیقت میں حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کے عالمِ باطن کا فوراً ہی قبلہ دُرست کر دیا۔ پھر اس کی تاثیر یوں نظر آئی کہ قاضی صاحب عرض کرنے لگے کہ "حضورِ عالی! بندہ محض خالصتاً لوجہ اللہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا ہے کسی دُنیاوی غرض کے لئے نہیں"۔ چُنانچہ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں شامل کرتے ہوئے بیعت کر لیا اور ساتھ ہی خصوصی توجہ سے سرفراز فرمایا۔ پھر قاضی صاحب نے اپنے پیر و مُرشد کے ارشاداتِ عالیہ پر عمل کرتے ہوئے ملازمت کو ترک کر کے علاقہ حافظ آباد میں بندگانِ خدا کو اللہ تعالیٰ، اُس کے پیارے رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف اور سلف صالحین کے طریقے کی طرف بُلانا شروع کر دیا اور حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو باقاعدہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں منصبِ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اور اس طرح پھر حافظ آباد اور دُور و نزدیک کی کثیر تعداد آپ کے حلقۂ اِرادت میں شامل ہو گئی۔

حضرت خواجہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیماتِ مجددیہ عام کرنے کے لئے قاضی صاحب کو مکتوبات شریف کا اُردو ترجمہ کرنے کے لئے حکم فرمایا۔ آپ نے نہایت محنت اور انتہائی محبت سے اُردو ترجمہ مکمل کیا۔ آپ قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ اور فارسی، پنجابی اور اُردو میں شعر کہتے تھے۔ آپ نے اپنا تخلّص مسکینؔ رکھا۔ اور آپ کے کلام سے سی حرفیاں بھی شائع ہو چکی ہیں۔

خالقِ حقیقی سے جب ملنے کا وقت آیا تو اپنی تین سال کی بیماری کے دَوران جس میں آپ کے جسم کے نیچے کے حصّے نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ کبھی بھی نہ اپنی آنکھ کے اشارے سے اور نہ ہی اپنی زبان کے کسی لفظ سے کسی ناشکری کا اظہار فرمایا۔ کسی نے عرض کیا کہ آپ مکتوبات شریف کے اُردو ترجمہ کی رائلٹی وصُول کرتے۔ تو آپ نے ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا "مجھے اپنے پیر و مُرشد کا حکم مانتے ہوئے فقط مجدّد پاک رحمۃ اللہ علیہ کی رضا و خوشنودی کی ضرورت تھی جو مجھے مل چکی ہے۔ وصال سے ایک دن پہلے اپنے بیٹے کو کچھ رقم دی۔ اور فرمایا کہ کل تمہارے کام آئے گی۔ اسی دن ظہر کی نماز کے بعد حالت بدلنی شروع ہو گئی۔ اور ہر پندرہ منٹ کے بعد فرماتے کہ مَیں نے نماز نہیں پڑھی مَیں نماز پڑھ لوں۔ پھر تہجّد کی نماز ادا کرنے کی حالت میں ہی ۱۱۔ جولائی ۱۹۴۲ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ آپ کو گوجرانوالہ کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ خاکسار مسکین عالم الدّین طالبانِ خدا کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ طالب کو لازم ہے کہ نجات کا راستہ ڈھونڈھے اور ایسے طریق میں داخل ہو جو وصول اِلی اللہ میں اقرب و اوفق ہو۔ اور اس میں داخل ہونے کے بعد طریقت اور پیشوا کے آداب کو مدِّ نظر رکھے۔ اِس واسطے خاکسار نے سلف صالحین کی کتابوں میں سے منتخب کر کے یہ مجموعہ آداب تیّار کیا تاکہ طالبانِ راہِ ہدایت اِن پر عمل کر کے سعادتِ دارین حاصل کریں۔ آداب سے پہلے تصوّف اور اُس کی حقیقت اور ضرورتِ شیخ کی نسبت لکھّا گیا ہے۔ جو طالبوں کے لِئے نہایت ہی مفید ہے۔ اور اخیر میں حضرت محبوبِ سُبحانی قطبِ ربّانی غوثِ صمدانی حضرت مجدّدِ الف ثانی سرہندی قُدّس سرّہٗ کے مکتوبات شریف سے چند آداب جو یارانِ طریقت کے لِئے ازبس فائدہ بخش ہیں درج کئے گئے ہیں۔ امّید ہے کہ یہ مجموعہ آداب یاروں کے لِئے نہایت ہی مُفید ہوگا۔ اللہ تعالیٰ خاکسار اور تمام یاروں کو بھی اِس کے موافق عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثمّ آمین۔

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمِ تصوّف کی تعریف

تصوّف وُہ علم ہے جس میں حقائق ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کی نسبت بحث ہوتی ہے اور اس میں اُن اعمال و اشغال کا ذکر ہوتا ہے جن سے تصفیہ و تزکیۂ باطن جو وصول الی اللہ کا ذریعہ ہے حاصل ہوتا ہے۔ یا یُوں سمجھو کہ تصوّف ایک ایسا طریق مستنبط من القرآن والحدیث ہے جو افراط و تفریط کے عین درمیان میں واقع ہے۔ جسے صراطِ مستقیم کہا جاسکتا ہے اور اس پر چلنے سے اِنسان خدا تک پہنچ جاتا ہے۔ اِس علم کا موضوع ذات و صفاتِ الٰہی ہے اور اس سے غرض و غایت معرفتِ الٰہی ہے جس کے لِئے حضرتِ اِنسان پیدا کیا گیا ہے۔

لفظِ تصوّف کا اِشتقاق

لفظِ تصوّف کے اِشتقاق میں مختلف قول ہیں بعض نے اِس کو لفظِ صُوف سے مشتق بتایا ہے پس صُوفی صُوف پوش کو کہتے ہیں۔ مگر نہ صرف صُوف پوش بلکہ اہلِ تصوّف کے ظاہری و باطنی آداب سے آراستہ ہونے کا نام تصوّف ہے اور یہی قول بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ صُوفی جس کی نِسبت لفظ صُوف کی طرف کی گئی ہے، لغوی ترکیب کی رُو سے بالکل صحیح ہے برخلاف اس کے اگر بقولِ بعض لفظِ تصوّف کا مادہ صفہ یا صفا یا صف قرار دیا جائے تو قیاس لغوی یہ چاہتا ہے کہ اُن کی طرف نِسبت کرنے سے الفاظ صفی، صفائی، صفی حاصل ہوں۔

نہ کہ صُوفی۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ بعض بزرگانِ دین مثلاً حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قُدّس سِرّہٗ اور امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اِس لفظ کو صفا سے مشتق کیا ہے۔ اور اگر یہ اشتقاق صحیح و درست مانا جائے تو بالضرور اس کو بابِ مُفاعلہ کا صیغہ ماضی مجہول صُوفِیَ قرار دینا پڑے گا۔ جو کثرتِ استعمال سے یائے ساکن کے ساتھ پڑھا گیا اور یہی توجیہ قابلِ اعتبار معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اکثر بزرگوں کے کلام میں اِسی کی تائید میں یہ شعر موجود ہے ؎

وَلَیْسَ یُشْھَرُ بِالصُّوْفِیْ غَیْرُ فَتًی
صَافیٰ فَصُوْفِیَ حَتّٰی سُمِّیَ الصُّوْفِیْ

یعنی صُوفی کے لقب سے ملقّب نہیں ہوتا مگر وُہ نوجوان جو صاف ہو پھر صاف کیا گیا ہو حتّٰی کہ اس کا نام صُوفی ہو گیا ہو۔

غنیۃ الطالبین کی عبارت یہ ہے۔ فَھُوَ فِی الْاَصْلِ صُوْفِیَ عَلٰی وَزْنِ فُوْعِلَ مَاخُوْذٌ مِّنَ الْمُصَافَاتِ یَعْنِیْ عَبْدٌ اصَافَاہُ الْحَقُّ عَزَّوَجَلَّ وَلِھٰذَا قِیْلَ الصُّوْفِیُّ مَنْ کَانَ صَافِیًا مِّنْ اٰفَاتِ النَّفْسِ خَالِیًا مِّنْ مَّذْمُوْمَاتِھَا سَالِکًا لِحَمِیْدِ مَذْھَبِ مُلَازِمًا لِلْحَقَائِقِ غَیْرَ سَاکِنٍ بِقَلْبِہٖ اِلٰی اَحَدٍ مِّنَ الْخَلَائِقِ۔ یعنی صُوفی دراصل فُوْعِلَ کا وزن ہے۔ اور مصافات سے مشتق ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ صُوفی وُہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے صاف کر لیا ہو۔ یعنی جو شخص نفس کی آفتوں اور بُرائیوں سے صاف ہو اور نیک مذہب پر چلے اور اُس کا دِل بجز اللہ تعالیٰ کے کسی چیز پر آرام نہ پائے۔

امام محمدؒ غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت یہ ہے۔ تَجْرِیْدُ الْقَلْبِ لِلّٰہِ وَاحْتِقَارُ مَاسِوَاہُ وَھُوَ مَاخُوْذٌ مِّنَ الصَّفَا لِتَصْفِیَۃِ الْقُلُوْبِ۔ یعنی تصوّف دِل کو محض اللہ تعالیٰ کے لِئے علیحدہ کرنے اور اس کے ماسوا کو حقیر جاننے کا نام ہے اور وُہ صفا سے مشتق ہے کیونکہ دِلوں کو صاف کرتا ہے۔

حقیقتِ تصوّف کا تغیّر

دُنیا میں کئی ایک ایسی صداقتیں موجود ہیں جن کی اصلی صورت پر مختلف قسم کی بدعات کا غبار اِس قدر پڑ گیا ہے کہ اب ان کا پہچاننا مشکل ہے۔ تصوّف جس کی اصلیّت سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اس کی اصلی حقیقت میں ایسا تغیّر و تبدّل ہوا ہے کہ اس کی وُہ حالت جو قرونِ اولیٰ کے بزرگانِ دین میں موجود تھی۔ موجودہ زمانہ کی حالت سے کوسوں دُور جا پڑی ہے۔ اگر نیک فطرت آدمی تصوّف کی اصلی حقیقت اَور موجودہ حالت میں موازنہ کرے تو اُس کو معلوم ہو جائے گا کہ بہت ہی کم امور میں دونوں باہم مشابہ ہیں۔ اَور ایسے لوگ بہت کم نکلیں گے جو سلفِ صالحین کا سا ظاہر و باطن رکھتے ہوں۔ اگر اس امر کی صداقت معلوم کرنا چاہو تو زمانہ حال کے بعض متصوّفہ اَور ان کی خیرات و برکات اَور ان کا عملی طریق دیکھ لو۔ اِس تغیّر و تبدّل کی وجہ سوائے اس کے اَور کچھ نہیں ہو سکتی کہ بعض جاہل اَور اہلِ ہوا نے دُنیا طلبی اَور اغراضِ نفسانی کے لِئے ایسی ایسی باتوں کو مذہبی پیرایہ میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیا جن کی کتاب اللہ اَور سُنّتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام میں کوئی اصل نہ تھی۔ آہستہ آہستہ وُہ باتیں طبیعتوں میں ایسی مضبوط ہو گئیں کہ دین کا جزو سمجھی گئیں۔ چونکہ ان باتوں کے ماننے والے اپنے جاہل پیشواؤں کی باتوں کو وحی کی مانند سمجھتے رہے۔ اِس لِئے خود انہوں نے کتاب و سُنّت میں غور کرنا چھوڑ دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ تصوّف میں اِس قسم کا تغیّر و تبدّل بڑھ گیا کہ اُس کی اصلی حقیقت کا پتہ لگانا مشکل ہو گیا۔ اَور ہر کس و ناکس زبانِ طعن دراز کرنے لگا اَور مذموم و قبیح نظر آنے لگا۔ ورنہ تصوّف وُہ طریقِ نبوی تھا جس کی حقیقت زمانۂ نبوّت میں عملی طور پر اصحابِ کبار خصوصاً اصحابِ صُفّہ میں برابر پائی جاتی تھی اَور اس کے بعد بھی تابعین اَور تبع تابعین یکے بعد دیگرے برابر اس دولتِ بے بہا کے مالک ہوتے چلے آتے۔ حتّٰی کہ یونانیوں کے فلسفہ نے اِسلام میں ابتری پھیلانی شروع کر

دی اور اکثر اس زمانہ کے متصوّفہ کی توجّہ اس طرف مائل ہو گئی جس کی نظیر فرقہ باطنیہ کے لوگ تھے۔ باطنیہ کو قرامطہ بھی بولتے ہیں۔ جو احکامِ شریعت کے ظاہر کی نسبت یہ خیال رکھتے ہیں کہ ان کا باطن بھی ہے۔ اِس لیئے وُہ تمام ظاہر کی تاویل اپنے اصول کے مطابق کر لیتے ہیں اور ظاہر کو مسلّم نہیں رکھتے۔ ان کے اصول سب کے سب فلسفہ کے اصول سے لِئے گئے ہیں۔ جو قریباً سب کے سب مخالفِ شریعت ہیں۔ بعض جاہل متصوّفہ نے اِن اصول کو دین میں داخل کر کے تصوّف کو بدنام کیا۔ فرقہ باطنیہ کے عقائد کی تفصیل "ملل ونحل شہرستانی" میں مندرج ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اصولِ تصوّف جس کا اقتباس انوارِ نبوّت سے کیا گیا تھا یُونانی مُلحدوں کے اصول سے ایسے مِل جُل گئے کہ ایک ایسے شخص کے لیئے جو کتاب اللہ اور سُنّتِ صحیحہ سے محض برائے نام واقف ہو ہر دو میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا۔ اِس لِئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تصوّف اور اہلِ تصوّف کی حقیقت اصلیہّ کو ظاہر کیا جائے۔ کیونکہ اِس بد اِعتقادی کے زمانہ میں لوگ صرف بدظنّی کی وجہ سے طلب کمال سے محروم رہ گئے ہیں اور فقط لوگوں کی رائے اور تحقیق کو دین سمجھ چکے ہیں۔ ایک بڑی مشکل یہ آ پڑی کہ بعض بڑے بڑے علماء اِسلام نے بھی جن کی طبیعتوں پر فلسفہ غالب تھا یہ کوشش کی کہ مُلحدینِ فلسفہ کے اصول کو شریعتِ اسلامی کے اصول سے مطابق کیا جائے۔ چنانچہ اس امر کے لیئے اُنہوں نے اصطلاحاتِ فلسفہ کا مفہوم آیات واحادیث سے نکالنا چاہا۔ مثال کے طور پر یُوں سمجھو کہ اہلِ فلسفہ نے عقولِ عشرہ کا ڈھکوسلا بنا رکھا ہے جو اُن کی اِس اصل پر مبنی ہے کہ اَلْوَاحِدُ لَایَصْدُرُ عَنْہُ اِلَّا الْوَاحِدُ ایک عِلّت سے ایک ہی معلول صادر ہو سکتا ہے۔ جب زمانۂ اِسلام کے بعض فلسفیوں نے اِس اصل کو شریعتِ اِسلامی سے مطابق کرنا چاہا تو حدیث اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلُ یعنی "جو چیز اللہ تعالیٰ نے اوّل پیدا کی ہے وُہ عقل ہے" سے جا لپٹے۔ اور اہلِ تصوّف نے اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ یعنی "اوّل جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وُہ میرا نُور ہے" کو جا لیا۔ اور شریعتِ اِسلامی کو مِلا کر یہ نتیجہ نکالا کہ ایک ہی حقیقتِ واحدہ کو مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے یعنی حقیقتِ محمّدیہ وہی ہے جس کو دُوسرے الفاظ میں

اہلِ فلسفہ عقلِ اوّل کہتے ہیں۔ حالاں کہ ہر دو حدیثِ مذکورہ بالا میں اوّلیتِ حقیقی و اضافی کے اعتبار سے کوئی اشکال نہیں ہے۔ جیسا کہ حمد اَور بسم اللہ دونوں کو کسی امر کے شروع میں کہنے کا حکم ہے۔ مگر ایک میں اوّلیتِ حقیقی ہے اَور دوم میں اضافی۔ غرض خواہ مخواہ اہلِ فلسفہ کی اِصطلاحات اَور ان کے مفہوم کو تعلیمِ وحی کے مطابق کرنے کا خیال بعض اِسلامی مصنفین کو دامن گیر ہو گیا تھا جس پر اس میں طرح طرح کی ضعیف اَور بھدّی تاویلیں کرنی پڑیں۔ اگر صرف اِسلامی اہلِ فلسفہ ہی ایسا کرتے تو کوئی بات نہ تھی۔ لیکن تعجّب ہے کہ بعض متاخّرین متصوّفہ نے بھی اِس بارہ میں افراط کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ حالاں کہ کتاب اللہ اَور سُنّتِ صحیحہ سے ہٹ کر انہیں کسی دُوسرے کے دروازہ پر جانے کی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ واضح ہو گیا ہو گا کہ تصوّف اَور اہلِ تصوّف کے مطعُون ہونے کے دو سبب تھے۔

اوّل متصوّفہ جاہل جو کتاب اللہ و سُنّت سے بالکل بے بہرہ تھے یا کافی واقفیت نہ رکھنے کی وجہ سے افراط و تفریط میں تمیز نہ کر سکے اَور عقائدِ باطلہ کو مذہب میں شامل کر کے اپنے مریدوں کو اُن پر معتقد ہونے کی ہدایت کرنے لگے۔ چُونکہ اُن کو خود کتاب و سُنّت کا علم نہیں تھا۔ اِس لِئے اُن کے تابعین کو بھی اِس طرف متوجّہ ہونے کا موقع نہ مِلا۔ اَور اگر کسی خُدا کے بندے نے اُن کو بدعات اَور منکرات سے روکنا چاہا تو اُس کو ظاہر پرست، مُلّا، مولوی وغیرہ کہا گیا۔

دوم متصوّفہ اہلِ فلسفہ جنہوں نے اصُولِ فلسفہ کو قرآن و سُنّت کے ساتھ ملا دیا اَور اِصطلاحات کا مفہوم آیات و احادیث سے اخذ کیا۔ اِس مرض میں بڑے بڑے علماءِ اِسلام بھی مبتلا ہُوئے۔ جن کی تصانیف بعد میں بڑی عزّت کی نگاہ سے دیکھی گئیں اَور اب بھی اِس مذاق کے بعض لوگ اُسی عزّت سے دیکھتے ہیں۔ اِس لِئے مناسب ہے کہ تصوّف کی اِس حقیقت کو ناظرین کے سامنے پیش کیا جائے جو از رُوئے کتاب و سُنّت ہرگز قابلِ اِعتراض نہیں ہے بلکہ اِسلامی تعلیم کا رُوحِ رواں ہے۔ اَور جس کے اِختیار کئے بغیر کوئی شخص کامل الایمان نہیں ہو سکتا۔

حقیقتِ تصوّف

لفظِ تصوّف کے اشتقاق کی نسبت اس کی حقیقت میں اَور بھی زیادہ اختلاف ہے کیونکہ حقیقتِ تصوّف کے بہت سے ارکان و شرائط اَور آداب و لوازم ہیں۔ کسی نے کسی جُزوِ اعظم کو مدِّ نظر رکھ کر تعریف کی ہے۔ کسی نے اس کی شرائط کو اَور کسی نے اس کے آداب و لوازم کو بطور تعریفِ لفظی کے ظاہر کردیا ہے۔ مگر تمام تعریفات پر جو مشائخ رحمھم اللّٰہ سے منقول ہیں، غور کرنے سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ مقصود سب کا واحد ہے۔ ذیل کی عبارات قابلِ غور ہیں:۔

اَلتَّصَوُّفُ الْخُرُوْجُ مِنْ کُلِّ خُلُقٍ دَنِیٍّ وَّالدُّخُوْلُ فِیْ کُلِّ خُلُقٍ سَنِیٍّ۔ یعنی تصوّف تمام اخلاقِ رذیلہ سے الگ ہونے اَور تمام اخلاقِ فاضلہ سے متّصف ہونے کو کہتے ہیں یعنی صحیح عقیدہ اَور فرائض و سُنن کی پابندی کرنے کے بعد۔ اس لئے کوئی کافر یا بدعتی مسلمان ایسے اخلاق سے موصوف نہیں ہو سکتا۔

مُرَاقَبَۃُ الْاَحْوَالِ وَلُزُوْمُ الْاٰدَابِ۔ حالاتِ وارِدہ کا منتظر اَور آدابِ شرعی کے ساتھ ملازم رہنا۔

شَغْلُ کُلِّ وَقْتٍ بِمَا ھُوَ اَھَمُّ فِیْہِ۔ اپنے اَوقات کو ایسے امُور میں بسر کرنا جن کا ان اَوقات میں پُورا کرنا نہایت ضروری ہے۔ امُور سے مُراد ذِکر اَور عبادات ہیں۔

اَلْکَوْنُ مَعَ اللّٰہِ بِلَا عِلَاقَۃٍ۔ تمام تعلّقات سے الگ تھلگ ہو کر اللہ کے حضُور میں حاضر رہنے کو بولتے ہیں۔ قطع تعلّق سے مُراد اُن کا دِل سے اُٹھا دینا ہے نہ کہ اسبابِ ضروری کی ظاہری پابندی سے علیحدہ ہونا۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ھُوَ اَنْ یُّمِیْتَکَ الْحَقُّ عَنْکَ وَیُحْیِیْکَ بِہٖ وَ تَقْطَعَ النَّظْرَ عَنِ الْغَیْرِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تجھے تیری اپنی ہستی سے فانی کردے اَور اپنی ہستی سے تجھے زندہ کردے اَور تو غیر اللہ سے قطع نظر کرلے۔

هُوَ الْجُلُوْسُ مَعَ اللّٰہِ بِلَا ھَمٍّ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھنا اِس حال میں کہ کسی قسم کا فِکر دامن گیر نہ ہو۔

هُوَ الْاَخْذُ بِالْحَقَائِقِ وَالْیَاسُ مِمَّا فِی اَیْدِی الْخَلَائِقِ۔ یعنی حقائق و معارف کے حاصل کرنے اور اہلِ دُنیا سے بالکل نااُمّید ہو جانے کو تصوّف کہتے ہیں۔

هُوَ تَدْرِیْبُ النَّفْسِ عَلَی الْعُبُوْدِیَّۃِ۔ یعنی نفس کو لوازمِ عبودیّت کا پابند کروانے کا نام ہے۔

هُوَ الْخُلْقُ فَمَنْ زَادَ عَلَیْکَ فِی الْخُلُقِ فَقَدْ زَادَ عَلَیْکَ فِی التَّصَوُّفِ۔ یعنی تصوّف اخلاقِ حسنہ سے متّصف ہونے کا نام ہے۔ جو اس سے زیادہ حقیقتِ تصوّف کو بیان کرے وُہ زائد بات کہتا ہے جو تصوّف میں داخل نہیں ہے۔

اَلْوُقُوْفُ مَعَ الْاٰدَابِ الشَّرْعِیَّۃِ ظَاھِرًا فَیَسْرِیْ حُکْمُھَا مِنَ الظَّاھِرِ فِی الْبَاطِنِ وَبَاطِنًا فَیَسْرِیْ حُکْمُھَا مِنَ الْبَاطِنِ فِی الظَّاھِرِ فَیَحْصُلُ لِلْمُتَاَدِّبِ بِالْحُکْمَیْنِ کَمَالٌ۔ یعنی تصوّف ظاہر و باطن میں آدابِ شرعیہ کے ساتھ قائم ہونے کو بولتے ہیں اِس طرح کہ ان کا اثر ظاہر سے باطن تک اور باطن سے ظاہر تک پہنچ جائے۔ اِن ہر دو جہت پر حاوی ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کو کمالِ حقیقی حاصل ہو جاتا ہے۔

اَلصِّدْقُ مَعَ الْحَقِّ وَحُسْنُ الْخُلُقِ مَعَ الْخَلْقِ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ صدق برتنے اور خلقِ خُدا کے ساتھ خُوش خلقی سے پیش آنے کو تصوّف کہتے ہیں۔

اَلتَّصَوُّفُ حَیَاۃُ الْقَلْبِ مَعَ اللّٰہِ وَقِیَامُ الْقَلْبِ بِلَا وَاسِطَۃٍ۔ تصوّف یہ ہے کہ دِل اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندہ ہو جائے اور اس کو بلا واسطہ قیام حاصِل ہو۔

اِن کے علاوہ اور بھی بہت سی تعریفیں کتبِ تصوّف میں لکھّی ہیں مگر طالبین کو حقیقتِ تصوّف کے سمجھنے کے لیئے اِس قدر کافی ہے۔ اور غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ صرف الفاظ کا اِختلاف ہے ورنہ مفہوم سب کا ایک ہی ہے یعنی عقائدِ اہلِ سُنّت وجماعت حاصل کرنے کے

بعد نفس کو احکامِ شریعت کا اِس قدر پابند بنانا کہ خواہشِ نفسانی کے آثار بالکل دُور ہو جائیں۔ حتّٰی کہ رفتہ رفتہ حقیقی اطمینان کا درجہ حاصل ہو جائے۔ یعنی بجز ذکرِ خُدا کوئی چیز اُس کو لذّت نہ دے۔ اَور نہ ہی اُس کو اطمینان سے جُنبش دے سکے۔ اِس حالت کو جب زیادہ ترقی دی جائے تو طہارتِ کُلّی کا رُتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اِس حالت میں ایسے شخص کا تعلّق بظاہر غیر اللہ سے نظر آئے تو یہی سمجھنا چاہیئے کہ وُہ اللہ ہی کے لِئے ہے یعنی خواہشِ نفس اِس کو کسی کی مخالفت پر آمادہ کرتی ہے نہ ہی اس کی محبّت پر۔ بلکہ اس کا کسی سے مخالفت کرنا غیرتِ ایمانی کا نتیجہ ہوتا ہے اَور کسی سے محبّت کرنا حکمِ قرآنی کا اتّباع۔

غرض تصوّف کا اصل منشا نفس کے آثار کو بالکل محو کر کے اللہ تعالیٰ کے ارادہ و رضا کے تابع بنانا سمجھو۔

ایک عارفِ کامل اَور مقرّب بارگاہِ حق فرماتے ہیں۔ اَوَّلُ شُرُوْطِ الطَّرِيْقَةِ الصُّوْفِيَّةِ تَطْهِيْرُ الْقُلُوْبِ بِالْكُلِّيَّةِ سِوٰى رَبِّ الْبَرِيَّةِ وَمِفْتَاحُهَا جَادِيٌّ مِّنْهَا مَجْرَى التَّحْرِيْمِ مِنَ الصَّلٰوةِ اِسْتِغْرَاقُ الْقَلْبِ بِذِكْرِ اللّٰهِ۔ یعنی طریقہ صُوفیائے کرام کی پہلی شرط یہ ہے کہ دِل کا میدان غیر اللہ کی محبّت سے بالکل پاک و صاف اَور محبّتِ الٰہی سے آراستہ ہو جائے اَور اِس استغراق کو اِس طریق میں سلوک کرنے کے ساتھ وُہی نسبت ہے جو تکبیرِ تحریمہ کو آغازِ نماز سے نسبت ہے۔ اَور اِس طریقہ کا اِنتہا یہ ہے کہ آثارِ نفس بالکل محو ہو کر اَوصافِ الٰہی یعنی تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ سے متّصف ہو جائے جس کو اصطلاحِ تصوّف میں فنا فی اللہ کہتے ہیں۔

اِصطلاحاتِ تصوّف

مذکورہ بالا عبارت میں فنا فی اللہ کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔ خاکسار کو اِس کی زیادہ تشریح کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ بعض ناواقف لوگ اہلِ طریقت کی اکثر اصطلاحات

کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ان کا اِنکار کر دیا کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ کوئی علم یا فن آج تک دُنیا میں بغیر اصطلاحات کے مروّج نہیں ہوا تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، تاریخ، حساب، ہندسہ اور طِبّ وغیرہ سب کے سب اِصطلاحات پر مبنی ہیں۔ اور اصطلاحات کا بڑا فائدہ یہ ہوا کرتا ہے کہ بجائے اس کے کہ بار بار ایک لمبی عبارت کو دُہرایا جائے صرف ایک ہی لفظ سے وُہ کام لیا جاتا ہے جس طرح ضمیروں کا اِستعمال اِختصار کے لِئے ہر ایک زبان میں پایا جاتا ہے۔

تصوّف بھی ایک عِلم ہے جس میں مجاہدہ و ریاضت اور کیفیات و وارداتِ قلبی کا ذِکر ہوتا ہے۔ اِس لِئے دُوسرے علوم کی طرح یہ بھی چند اصطلاحات پر مشتمل ہے۔ جب تک ہمیں اِن اِصطلاحات کا عِلم نہ ہوگا تب تک اِس طریق کے بزرگوں کے کلام کو نہ سمجھ سکیں گے۔

جو لوگ سلوکِ طریقت کے لِئے شیخِ کامل کی ضرورت تسلیم کرتے ہیں وُہ فنافی الشیخ، فنا فی الرّسول اور فنا فی اللہ ہر سہ اِصطلاحات کا اِستعمال کیا کرتے ہیں اور اِن الفاظ کا مفہوم کامل اِتّباعِ رسُول اور کامل تخلّق باخلاق اللہ کے سوائے اور زیادہ کچھ نہیں۔ اور یہ مفہوم ہرگز شریعت کے مخالف نہیں کیونکہ جب تک ہم صلاح و تقویٰ کے لِئے عملی نمونہ نہ پائیں افراط و تفریط سے بچ نہیں سکتے۔

کچھ شک نہیں کہ کتاب وسنّت سے زُہد و تقویٰ کا عِلم حاصل کرنا اور چیز ہے اور اُس کو کسی مردِ خُدا یعنی عارفِ کامل کی عملی حالت سے اخذ کرنا اور بات ہے۔ صُورتِ اوّل صرف قال ہی قال ہے اور صورتِ ثانی میں حال و قال دونوں ہیں۔ اگر اِس کا ثبُوت چاہو تو کئی ایک عالموں کی حالت میں غور کر کے دیکھ لو کہ وُہ شریعت کے تمام اوامر و نواہی کا عِلم تو رکھتے ہیں مگر رذائلِ نفسانی سے ہرگز پاک نہیں ہیں۔ اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہر ایک شخص عارفِ کامل کی صحبت کے بغیر صرف رسمی عبادت سے تصفیہ و تزکیہ حاصل کر سکتا ہے تو وُہ سراسر کاذب ہے خاکسار کو کئی ایک ایسے عُلماء کا تجربہ ہے کہ عِلم و فضل میں تو مسلّم ہیں اور اوامر و نواہی کے پُورے پُورے پابند ہیں مگر رذائلِ نفسانی یعنی غصّہ، حسد، غرُور، حرص، شہوت، ریا، بُخل، تکبّر و عجب

وغیرہ سے ہرگز محفوظ نہیں ہیں۔ برخلاف اس کے ایسے کم علم لوگوں کا بھی علم ہے جو صرف شیخِ کامل ہی کی صحبت سے مذکورہ بالا تمام رذائلِ نفسانی سے بالکل پاک و صاف ہیں۔

تا نیفتد بر تو مردے را نظر — از وجودِ خویش کے یابی خبر
ہیچ نکشد نفس را جز ظلِّ پیر — دامنِ آں نفس کُش را سخت گیر
گر تو سنگِ خارا ای مرمر شوی — چوں بصاحبدل رسی گوہر شوی

یعنی جب تک کسی کامل کی نظر تجھ پر نہ پڑے تجھے اپنے وجود کی خبر نہیں ہو سکتی۔ پیر کے سوا کوئی اپنے نفس کو قتل نہیں کر سکتا۔ اس نفس مارنے والے کے دامن کو مضبوط پکڑ۔ اگر تو سنگِ خارا ہوگا تو صاحبِ دل کے پاس جاکر موتی بن جائے گا۔

اِس معاملہ میں حجّت بازی سے کام نہیں چلتا اور یہ مان لینے کی بات ہے بصورت انکار اور تو کچھ نہیں مگر باطنی فیض اور حقیقت فہمی سے محروم رہتا ہے اور رسمی عبادت میں عمر کھو دیتا ہے جس میں چاشنیٔ محبّت اور ذوقِ عرفان کچھ بھی نہیں ہوتا۔ تعجّب ہے کہ جسمانی امراض کے لئے تو ڈاکٹر و طبیب کے پاس لوگ دوڑے جاتے ہیں مگر روحانی امراض کے لئے روحانی طبیب یعنی عارفِ کامل کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اگر صرف کتابُ اللہ اور سُنّتِ صحیحہ کا علم ہی فلاح و صلاح کا موجب ہوتا تو تمام علمائے دین عارفانِ کامل بن گئے ہوتے مگر ایسا نہیں ہے ؎

اگر ژالہ ہر قطرہ دُر شدے — چو خرمہرہ بازار ہا پُر شدے

یعنی اگر بارش کا ہر قطرہ موتی بن جاتا تو کوڑیوں کی طرح بازار بھر جاتے۔

پس جس طرح کتبِ طب سے ہر شخص اُستاد کی تعلیم و تجربہ کے بغیر فائدہ نہیں اُٹھا سکتا اسی طرح کتاب و سُنّت کے علمی و عملی کمال حاصل کرنے کے لئے اُستادانِ طریقت و مشائخِ کاملان کی ضرورت ہے۔

غرض اِصطلاحات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں نے بسا اوقات کئی حق باتوں کا انکار کر دیا ہے۔ اور جب کسی نے مقابلہ پر کمر باندھ لی تو یہ معاملہ تکفیر و تفسیق تک جا پہنچتا ہے مگر

ضد و تعصب کو چھوڑ کر اگر انصاف سے کام لیا جائے تو ممکن نہیں کسی کو انکار کی مجال ہو سکے۔ اسی مضمون کو ایک امام کتاب و سنّت نے اس مختصر جملہ میں بیان کیا ہے۔ وَاِذَا فُهِمَتِ الْمَعَانِيْ فَلَا مُشَاحَةَ فِي الْاَلْفَاظِ یعنی جب تو معانی اصلیہ کو سمجھ چکے تو ان کو جن الفاظ سے چاہے تعبیر کر لے۔

مگر طعن و انکار کرنے والے لوگ کسی قدر معذور بھی ہیں۔ کیونکہ انہی اہلِ تصوّف میں بعض کا یہ حال دیکھا گیا ہے کہ اُنہوں نے احکامِ شریعت کا کچھ لحاظ نہیں کیا اور بہت سی بدعاتِ منکرہ کو اس طریق میں داخل کر لیا۔ حالانکہ طریقِ تصوّف اِس قسم کی جعل سازیوں سے بالکل پاک و صاف ہے اور وُہ شریعت سے کوئی الگ طریق نہیں ہے جس پر کسی قِسم کا اعتراض کیا جا سکے۔

طریقِ تصوّف شریعت سے الگ نہیں ہے

یاد رہے کہ مرتبۂ حقیقت و معرفت جو تصوّف کی غرض و غایت ہے سوائے تصفیہ اور تزکیۂ نفس کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور تصفیہ و تزکیہ سوائے پابندیٔ شریعت کے محال ہے یعنی ورع و تقویٰ میں یہاں تک اِستقامت پیدا کرے کہ رُخصت سے تجاوز کر جائے اور جب اِس مرتبہ کو حاصل کرے تو اسرارِ حقیقت منکشف ہونے لگتے ہیں اور یہ طریق عین منشائے شریعت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

ایک عارفِ کامل لکھتے ہیں۔ كُلُّ طَرِيْقَةٍ تُخَالِفُ الشَّرِيْعَةَ فَهِيَ كُفْرٌ وَّكُلُّ حَقِيْقَةٍ لَّا يَشْهَدُ لَهُ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ فَهِيَ اِلْحَادٌ وَّزَنْدَقَةٌ۔ جو طریق کہ مخالفِ شریعت ہے وُہ کفر ہے اور جس حقیقت پر کتاب و سُنّت گواہ نہیں وُہ اِلحاد اور زندقہ ہے۔

یا یُوں سمجھو کہ طالبِ صادق کو سب سے اوّل شریعت کے امر و نہی سے آگاہ ہونا ضروری ہے اور تقویٰ و طہارت کا پابند ہونا جس کو طریقت کہتے ہیں شریعت کی پابندی کا نتیجہ ہے اور

اِن مراتب کے بعد وصُول اِلیٰ اللہ یعنی نُورِ تجلّی کا مشاہدہ ہوتا ہے جس کا نام حقیقت ہے حقیقت میں یہ تینوں مراتب شریعت ہی کی کمال پابندی کا نتیجہ ہیں یعنی رسوم و عادات کے طور پر پابندیٔ شریعت سے گذر کر حقیقی طہارت و تقویٰ کو حاصل کرنا جس سے ذکر میں لذّت اور لذّت سے اِستغراق اور محویّت حاصل ہونے لگے۔

اِس کو اِس طرح بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ طہارتِ شریعت بذریعہ وضوء اور غسل کے۔ اور طہارتِ طریقت ہوائے نفس کے ترک کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور طہارتِ حقیقت تمام غیر اللہ سے قلب کو پاک کر دینے پر منحصر ہے۔

یہی بزرگ فرماتے ہیں۔ فَمَنْ زَعَمَ اَنَّ الْعُبُوْرَ مِنْ حُجُبِ الْبَشَرِيَّةِ وَالْوُقُوْفَ عَلٰى اَسْرَارِ الطَّرِيْقَةِ وَالْحَقِيْقَةِ بِمَا يُخَالِفُ الشَّرِيْعَةَ فَقَدْ طَغٰى وَغَلَبَتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ وَالنِّسْيَانُ وَاسْتَهْوَتْهُ الشَّيَاطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ حَتّٰى اَوْبَقَتْهُ فِىْ اَوْدِيَةِ الْهِجْرَانِ وَاَهْلَكَتْهُ فِىْ قِيْعَانِ الْخُسْرَانِ۔ یعنی جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ آثارِ بشریّت سے گذرنا اور اسرارِ طریقت و حقیقت پر مطلع ہونا کسی ایسے طریق سے بھی حاصل ہوسکتا ہے جو مخالفِ شریعت ہے تو ایسا شخص خدا کا سرکش ہے اور وُہ ضلالت و نسیان کے گڑھے میں پڑا ہُوا ہے اور شیاطین اُسے اِدھر اُدھر بھکا رہے ہیں۔ حتّٰی کہ وُہ ناکام ہی ہلاک ہو جاتا ہے اور آخر کار وُہ زیان اُٹھا کر دُنیا سے رُخصت ہوتا ہے۔

تصوّف و اہلِ تصوّف کا اِنکار

جاہل لوگ جس طرح نبوّت کی حقیقت کو نہ سمجھ کر انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی اکثر تکذیب کر دیا کرتے تھے، اُسی طرح ہر ایک زمانہ میں صُوفیائے کرام کا بھی اِنکار کرنے والے موجود رہے ہیں۔

چنانچہ ابنِ جوزی جیسے محدّث نے بھی بڑے زور و شور سے بڑے بڑے عارفانِ

کامل حتیٰ کہ حضرت جنید و شبلی اور شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہم جیسے ائمہ طریقت پر حملہ کر دیا اور اُن کے حق میں یوں پکار اُٹھا۔ وَلَعَمْرِیْ لَقَدْ طَوٰی هٰؤُلَآءِ بِسَاطَ الشَّرِیْعَةِ طَیًّا فَیَا لَیْتَهُمْ لَمْ یَتَصَوَّفُوْا۔ مجھے اپنی جان کی قسم ہے کہ ان لوگوں یعنی صوفیہ نے شریعت کی بساط کو لپیٹ دیا ہے۔ کاش یہ لوگ طریق تصوّف اختیار نہ کرتے۔

اِس قسم کے الفاظ ہمیشہ مشائخ کے حق میں لوگ اِستعمال کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ بات حقیقت کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ ورنہ انہی لوگوں میں سے کئی ایک ایسے بزرگ ہیں جو اِنکار کے بعد اقرار پر مجبور ہوئے۔

چنانچہ امام عبد الوہّاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لواقع الانوار میں لکھتے ہیں۔ اَلَا اِنَّ الْاِنْکَارَ عَلٰی هٰذِهِ الطَّائِفَةِ لَمْ یَزَلْ عَلَیْهِمْ فِیْ کُلِّ عَصْرٍ وَذَالِكَ لِعُلُوِّ ذَوْقِ مَقَامِهِمْ عَلٰی غَالِبِ الْعُقُوْلِ وَلٰکِنَّهُمْ لِکَمَالِهِمْ لَا یَتَغَیَّرُوْنَ کَمَا لَا یَتَغَیَّرُ الْجَبَلُ۔ یعنی اس گروہ کے برخلاف ہر ایک زمانہ میں برابر انکار ہوتا رہا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس مقام تک ان لوگوں کو ترقی ہوتی ہے عامہ عقول اُس کے سمجھنے سے قاصر ہوتی ہیں مگر یہ لوگ منکرین کی کچھ پرواہ نہیں کرتے بلکہ پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہتے ہیں۔

اِمام موصوف نے طریق تصوّف کی نسبت ایک دلچسپ بحث لکھی ہے۔ اِس کا خلاصہ طالبوں کے پیش کیا جاتا ہے وہ لکھتے ہیں کہ صوفیائے کرام کا طریق انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے قدم بقدم چلنا ہے اور یہ اُس وقت تک مذموم نہیں۔ جب تک صریح آیات و احادیث اور اجماعِ اُمّت کے مخالف نہ ہو۔ اور اگر کوئی امر اِن تینوں کے برخلاف نہ ہو اور کسی کی سمجھ میں نہ آسکے تو اُس کو اختیار ہے کہ اُس پر عمل کرے یا اُس کو ترک کر دے۔ مگر انکار کی وجہ سوائے بدظنّی کے اور کچھ نہیں ہو سکتی کیونکہ تصوّف مُراد اُس حقیقی نور سے ہے جو کتاب اللہ اور سنتِ صحیحہ پر پورے طور پر عمل کرنے سے اولیاء اللہ کے دلوں میں چمکتا ہے۔

سو جو شخص ظاہر و باطن میں کامل اتّباع کرے گا اُس کو ایسے معارف و حقائق اور اسرار و

دقائق حاصل ہوں گے جو زبان سے بیان نہیں ہو سکتے۔ کتاب اللہ اور سُنّتِ صحیحہ ہمیں اعمالِ صالح کی عملی صورت بتلاتی ہیں اور تصوّف ان ہی اعمال کی رُوحانی تاثیر پر مبنی ہے جس کی حقیقت سوائے فاضل کامل کے جس نے احکامِ شریعت کی کیفیّت و کمیّت کو خوب سمجھا ہو ہر ایک شخص اچھی طرح واقف نہیں ہو سکتا۔ پس جس طرح علماء شریعت کتاب و سُنّت میں صحیح غور و فکر کرنے سے جزئی احکام نکالا کرتے ہیں اور اصولِ اجتہاد سے جائز و ناجائز کا پتہ لگاتے ہیں۔ اُسی طرح عُلمائے طریقت یعنی صُوفیائے کرام بھی سالک کے لئے آداب و شرائط تجویز کرتے ہیں جو اُنہوں نے شریعت سے لِئے ہوتے ہیں اور جس طرح کوئی مجتہد اپنے اجتہاد کو کسی غیر کے لِئے واجب الاتّباع نہیں بنا سکتا اُسی طرح کوئی صاحبِ مقام ولی اللہ اپنے ذوق و کشف وغیرہ کو کسی دُوسرے کے واسطے واجب الاتّباع قرار نہیں دے سکتا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اِس مضمون کو اِسی طرح مفصّل بیان کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مجتہدینِ شریعت اور مجتہدینِ طریقت سب کے سب راست باز اور عدول لوگ ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے شریعت کی خدمت کے لِئے برگزیدہ فرما لیتا ہے پس جو شخص نظرِ غور سے کام لے گا اُسے معلوم ہو جائے گا کہ اہل اللہ کے علوم ہرگز شریعت کے باہر نہیں ہیں۔ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کیونکہ شریعت ہی تو ان کے لِئے ذریعۂ وصُول اِلی اللہ ہے۔ اور وُہ ایک دم کے لِئے بھی شریعت سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔

سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ عِلْمُنَا هٰذَا مُشَيَّدٌ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ۔ ہمارا علم کتاب و سُنّت کے ساتھ مضبوط کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک صوفی کے لِئے کتاب و سنّت کا عالم ہونا ضروری ہے نہ کہ برعکس۔ غرض اِنکار کی وجہ سوائے جہالت اور غرور کے اور کچھ نہیں۔

امام قُشیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آج تک اِسلام میں کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا جس میں اُس زمانہ کے بڑے بڑے علماء راسخون فی العلم نے اپنے زمانہ کے شیخ کامل سے فیضِ

باطنی حاصل نہ کیا ہو۔ اگر اس پاک گروہ میں کچھ خصوصیت نہ ہوتی تو معاملہ برعکس ہوتا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے قطب الوقت شیبان راعی قدس سرہٗ سے سوال کیا کہ آپ اُس شخص کی نسبت کیا فتویٰ دیتے ہیں جس کی نماز فوت ہو جائے اور نہ جانتا ہو کہ کونسی نماز تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایسا شخص اللہ کے ذِکر سے غافل ہے۔ اُسے تنبیہ و تادیب کرنی چاہیئے اور پانچوں نمازیں پھر ادا کرنی چاہئیں۔ امام رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے طریقِ حق کی تصدیق کی۔

امام رحمۃ اللہ علیہ کا قاعدہ تھا کہ فِقہ کے مشکل سے مشکل مسائل کو شیخ وقت ابو حمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت فرماتے اور شیخ کے جواب سے پُورا پورا اطمینان حاصل کیا کرتے۔

محدّث ابُو عمران رحمۃ اللہ علیہ جب حضرت شبلی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حیض کے متعلق چند ایک مشکل سوالات میں آپ کا اِمتحان کیا۔ آپ نے سات ایسے مسائل بتائے جو ابُو عمران کو پہلے معلوم نہ تھے۔

شیخ قطب الدین ابنِ امین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ امام احمد حنبل اپنے بیٹے کو مشائخ کبار کی صحبت کے لِئے ہمیشہ وصیّت کیا کرتے تھے اور فرماتے کہ ان لوگوں کو اخلاصِ حقیقی کا وُہ رُتبہ حاصل ہے جو ہمیں حاصل نہیں۔ اِس قسم کی مختلف نظیروں کے لِئے رسالہ امام قُشیری اور امام شافعی کی کتاب روضۃ الرّیاحین کا مطالعہ کرنا نہایت ضرُوری ہے۔

امام ابُو تراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ جو اہلِ طریقت کے ایک بڑے مقتدا مانے گئے ہیں، فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے مُنہ پھیر لیتا ہے تو اُس کا پہلا نشان یہ ہے کہ وُہ اولیاء اللہ کے حق میں زبانِ طعن دراز کرتا ہے۔ اور میں نے اپنے شیخ ابو یحییٰ زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سُنا ہے کہ جب کسی فقیہ کو اہلِ طریقت کے احوال اور اصطلاحات کی خبر نہیں تو اُسے برہنہ پا سمجھو۔

شیخ محمد مغربی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ اہلِ طریقت کی پیروی کرو۔ اگرچہ

ان کا وجود بہت ہی قلیل ہو۔ اور جو لوگ اہلِ طریقت نہیں اُن سے بچتے رہو اگرچہ وُہ بہت ہوں۔ اور اہلِ طریقت کی حقانیّت پر حضرتِ مُوسیٰ و حضرتِ خضر علیہما الصّلوٰۃ والسّلام کے واقعہ میں غور کرنا اِس امر کی کافی دلیل ہے کہ اہلِ طریقت کی تلاش کرنا طالب مولےٰ کے لِئے واجب ہے۔

شیخ محی الدّین ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ امام فخر الدّین رازی صاحب تفسیرِ کبیر کو ارسال کیا تھا جس میں اُنہوں نے امام کے ظاہری عِلم و فضل کو تسلیم کر کے اُنہیں بے خبر اور بے عِلم ثابت کیا۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

میرے بھائی خُدا ہمیں توفیق دے تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اہلِ حقیقت کے نزدیک اِنسان کبھی کامل الایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ منقولات اور معقولات کی اصطلاح پرستی سے آگے نہ نکل جائے۔ کیونکہ جو شخص محض تقلیدی طور پر اپنے اساتذہ اور مشائخ کے عِلم تک محدُود رہتا ہے۔ وُہ جزئیات کی چھان بین میں عمرِ عزیز کھو دیتا ہے اور مقصُودِ اصلی سے برطرف پڑا رہتا ہے۔ کیونکہ جزئیات کی کوئی حد نہیں اور پُورے طور پر ان کا حاصل کرنا محال ہے۔

میرے بھائی! اگر تو کسی اہل اللہ کی مجلس میں بیٹھ کر حقیقتِ شریعت سے آگاہ ہو تو تجھے بہت جلد شہُودِ حق کے درجہ تک پہنچا دے گا جس سے تجھے خُدا تعالیٰ کی طرف سے علومِ حقیقت عطا ہونے لگیں گے۔ یہ یاد رکھ کہ اِستدلالِ عقل سے جو عِلم حاصل ہوتا ہے اُس کو اُن علومِ حقیقت کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے۔ کیونکہ فکر و نظر چند ایک عقلی ڈھکوسلوں کا نام ہے جن کا عِلمِ حقیقت کے ساتھ کچھ تعلق نہیں ہے۔

اور شیخِ کامل حضرت ابُو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ علماءِ ظاہر کے حق میں جو باہم جزئیات میں نوک جھونک رکھتے ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ مُردوں سے عِلم سیکھتے ہو اور اہلِ حقیقت حیٌّ لَا یمُوت سے۔

میرے عزیز! ضرُوری ہے کہ تُو وُہ علُوم حاصل کرے جن سے تجھے کمالِ حقیقی حاصل ہو۔

اَور جو مرنے کے بعد تیرے ساتھ ہو۔ اَور یہ یاد رکھ کہ یہ وُہی علوم ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطورِ مشاہدہ اَور موہبت دیئے جاتے ہیں۔ اِن علوم کے سوا اَور جس قدر علوم ہیں اُن کا نفع اِنسان کی زندگی تک محدُود ہے۔ مرنے کے بعد ان سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ سو عاقل کو واجب ہے کہ وُہ ایسے علوم حاصل کرنے کی کوشش کرے جو عالمِ فانی کو چھوڑ جانے کے بعد بھی اس کی ذات کے ساتھ جا سکیں۔ اَور ایسے علوم صرف دو ہی ہیں۔ خُدا تعالیٰ کی معرفت اَور اُمُورِ آخرت کا عِلم۔ سو تجھے واجب ہے کہ اِس دُنیا میں اِنہی ہر دو علوم کی تحقیق میں سرگرم رہے تاکہ ان کا ثمرہ تجھے عالمِ آخرت میں مِلے۔ اَور دُنیوی علوم سے صرف وُہی علوم جن کے بغیر اِنسان کو چارہ نہیں اَور جو سلوکِ طریق میں تجھے مُعاون ہو سکیں حاصل کر۔ اَور تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ علوم بدوں خلوت، ریاضت، مشاہدہ جذبِ الٰہی کے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے۔

میرا خیال تھا کہ میں تجھے خلوت اَور اُس کے شرُوط اَور بعض دُوسرے اُمورِ ضروری کی بابت مفصّل طور پر آگاہ کرتا مگر مقتضائے وقت مجھے اس سے مانع ہے۔ اَور مقتضائے وقت کے مانع ہونے سے میرا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ لفظ پرستی کو شریعت سمجھ بیٹھے ہیں اَور اس کے اسرار سے محض ناواقف ہیں اَور جن کا طریق بجز جنگ و جدال اَور حسد و تعصّب اَور کچھ نہیں حتّٰی کہ اہلِ طریقت پر طعن و تشنیع کرنے کو اپنے لِئے مُوجبِ فخر سمجھ کر ہر ایک صداقت کے اِنکار کرنے پر آمادہ رہتے ہیں میری باتوں کو نہیں سُن سکیں گے۔

میرے عزیز! تجھے لازم ہے کہ تو اس بزرگ گروہ کا اِنکار نہ کرے اَور یہ نہ سمجھ لے کہ یہ لوگ کتاب اللہ اَور سُنّتِ صحیحہ کے نص کو ظاہر سے پھیر لیتے ہیں۔ کیونکہ ظاہرِ شریعت کو اُس کے نص سے پھیرنا کُفر ہے۔ بلکہ بات اِس طرح ہے کہ بمُوجب فرمانِ نبوی اِنَّ لِکُلِّ اٰیَۃٍ ظَاھِرًا وَّ بَاطِنًا وَّحَدًّا وَّ مُطَّلَعًا اِلٰی سَبْعَۃِ اَبْطُنٍ یعنی ہر ایک آیت کے لِئے ظاہر و باطن و حد ہے سات باطنوں تک۔ ظاہر سے وُہ احکامِ شرعِیّہ مُراد ہیں جن کی پابندی سے

اعمالِ صالحہ بجا لائے جاتے ہیں۔ اَور باطن سے وُہ اسرار و معارفِ الٰہی مُراد ہیں جو کاملِ ایمان و تقویٰ پر مترتّب ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شریر منکر تجھے جہالت سے اہلِ حقیقت کی تصدیق سے روکنا چاہے تو اُس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھ۔ کیونکہ قرآنی معارف و اسرار کا خزانہ ان لفظ پرستوں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ ان کے حصّہ میں اہلِ حق کی تردید و تکذیب اَور بغض و عناد کے سوا اَور کچھ نہیں آیا۔ کیونکہ آیات و احادیث کو ان کے مفہومِ ظاہری سے پھیرنا اُس وقت لازم آتا ہے جب کہ ظاہر کا اِنکار کر دیا جائے اَور یہ کہا جائے کہ ان سے مُراد ان کے ظاہری معانی نہیں بلکہ اہلِ حقیقت ظاہر کو اپنے رُتبہ میں اُسی طرح تسلیم کرتے ہیں جس طرح تمام اہلِ اسلام کو ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ یہ لوگ کوئی نئی شریعت نہیں تبلاتے۔ ہاں کتاب اللہ اَور سُنّتِ صحیحہ میں خُدا کے دِیئے ہُوئے نورِ فراست اَور کشف و شہُود سے اُن معارف و اسرار کو حاصل کرتے ہیں جن سے اہلِ جدل کوسوں دُور پڑے ہیں۔ یہ لوگ جب ان معارف و حقائق کو کسی اہلِ حقیقت سے سُن پاتے ہیں تو یہ نہیں کہ وُہ اپنی کم علمی یا قصُورِ فہم کا اِقرار کریں۔ بلکہ جھٹ اِس طرح کہنے لگتے ہیں کہ سلف میں تو کسی نے یہ بات نہ کہی تھی۔ سو ایسے اِعتقاد کے لوگ ہرگز مشائخِ عظّام کے فیضانِ باطنی سے مستفید و مستفیض نہیں ہو سکتے۔

وجہِ انکار اَور مُنکرین کی اقسام

منکرین کی مختلف اقسام ہیں بعض تو قصُورِ فہم کی وجہ سے اِنکار کر دیا کرتے ہیں کیونکہ قرآن و حدیث سے اُن اسرار و معارف کو جنہیں اہلِ حقیقت حاصل کیا کرتے ہیں وُہ خود تو اخذ نہیں کر سکتے اَور اہلِ حقیقت کے حق میں پُوری پُوری بدظنّی رکھتے ہیں اِس لِئے سوائے تکذیب کے کوئی چارہ نہیں دیکھتے۔ اِس قسم کے منکرین کی نسبت قرآنِ مجید میں اِس طرح اِرشاد ہُوا ہے۔ کَذَّبُوا بِمَا لَمْ یُحِیطُوا بِعِلْمِہٖ۔ یعنی اِس لِئے جھُٹلایا کہ اس کے علم پر احاطہ نہ کر سکے۔ بعض کو نفسانی اغراض مدّ نظر ہوتی ہیں اِس لِئے وُہ تعصّب و حسد کی وجہ سے اِنکار کر دیتے

ہیں۔ اِس قسم کے لوگوں کے حق میں یُوں فرمایا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ یعنی از رُوئے حسد کے جھٹلایا اور بعض غرُور و تکبّر کی وجہ سے اُنہیں اپنی خاطر میں نہیں لاتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو ہم جیسے ہی آدمی ہیں۔ اور ہماری طرح ضروریاتِ اِنسانی میں مُبتلا ہیں۔ انہیں یہ رُتبہ کیسے مِل گیا۔ ان کے حق میں یُوں اِرشاد ہوا۔ وَمَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ۔ علیٰ ھٰذا القیاس اور بھی کئی ایک وجُوہِ اِنکار ہیں۔ اور یہ کوئی نئی وجُوہ نہیں بلکہ انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانہ سے لے کر آج تک بندگانِ خُدا کے حق میں ہوتے چلے آئے ہیں۔ مگر یہ لوگ ان کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر اِستقلال سے کام لیتے ہیں۔

شیخ ابُوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ حقیقت کا منکرین اہلِ جدال کے ساتھ اِمتحان کرنا چاہا ہے۔ سو تم بہت کم لوگوں کو دیکھو گے کہ کسی خالص ولی اللہ کی تصدیق کرتے ہوں۔ بلکہ اہل اللہ کے صفات و حالات سُن کر وُہ زبانی یُوں کہہ دیں گے کہ ہاں اللہ کے مقبول بندے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں مگر ایسے لوگ کہاں مِل سکتے ہیں اور جب اُن کے سامنے کسی ولی اللہ کا ذِکر کیا جائے تو وُہ لوگ طعن و تشنیع کو اِس کے خلاف حجّت گردان لیتے ہیں۔ اور اِس بات کو نہیں جانتے کہ ولی اللہ اور اس کے باطنی کمال کو جانچنے کے لئے باطنی آنکھ کی ضرورت ہے۔

چنانچہ اِبنِ تیمیہ نے ہمارے زمانہ میں بہت کچھ تجاوز کیا ہے۔ اور بعض نے اُن حقائق کا بھی اِنکار کر دیا ہے جن کی اصلیّت پہاڑ سے بھی زیادہ مضبوط ہے اور اس نے اپنے خیال میں اُنہیں مخالفِ شریعت قرار دیا ہے۔ سو ایسے شخص سے، جن کا پیشہ ردّ و طعن ہے اور اِنکار کے سوا اُن کی زبان سے کچھ نہ نِکلے ایسے بھاگو جیسے کسی درندہ سے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جس طرح انبیاءؑ علیہم الصّلوٰۃ والسّلام ابتداء میں عوام کی طرف سے اذیّت و تکلیف برداشت کرتے ہیں تاکہ وصفِ صبر سے متّصف ہوں۔ اولیاء و اصفیاء کو بھی یہ مرحلہ طے کرنا پڑتا ہے اور آخر کار انہیں غلبہ ہوا کرتا ہے۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ۔ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ مَیں اور میرے

رسول غالب رہیں گے۔ کیونکہ وصفِ شکر سے بھی موصوف ہونا ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ وصفِ صبر سے۔ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا یعنی تجھ سے پہلے بھی رسول جھٹلائے گئے ہیں پس اُنہوں نے ان کی تکذیب اور ایذا پر صبر کیا۔ یہاں تک کہ اُن کو ہماری مدد پہنچ گئی۔ مانا کہ بعض اہلِ علم نے اپنے خیال کے بموجب کسی نہ کسی حجتِ شرعی پر اِنکار کیا ہے لیکن اِس حجت پر ہم کہاں تک اِعتبار کریں کیونکہ ایسے امور کے متعلق اِختلاف کرنا جو محض مقامِ ولایت سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً کشف و شہود اور الہام وغیرہ علماء ظاہری کا کام نہیں ہے۔ یہ لوگ احکامِ جائز و ناجائز اور عقائد کے سوا اور کیا بتلا سکتے ہیں اُنہیں مقاماتِ سلوک کی کیا خبر۔ بھلا شمار کر کے بتلاؤ کہ کس قدر علماء ظاہری صاحبِ مکاشفہ و الہام گزرے ہیں۔ اور کس قدر ایسے ہیں جن کے ہاتھ پر خرقِ عادت و کرامات صادر ہوئیں۔ یہ لوگ کتاب و سُنّت کے مسائل کی تشریح میں عمر گذار دیتے ہیں۔ اور لوگوں کو احکامِ شریعت کے متعلق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہتے ہیں۔ اور اِس خدمت کے عوض وُہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اجرِ عظیم کے مستحق ہیں۔ مگر مقاماتِ عالیہ سلوک کی خبر دینا مجاہدہ، ریاضت، زُہد و تقویٰ و اشغالِ ذِکر کا نتیجہ ہے۔ اگر علماء ظاہر صرف مقاماتِ عالیہ سلوک کا علم رکھتے ہیں تو علماء ربانی یعنی اہل اللہ کو اِن مقامات پر گذر ہوتا ہے۔ اگر انہیں شنید حاصل ہے تو اُنہیں دید۔ اور شنید و دید میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ سو یُونہی منکرین کا انکار کر دینا اس عالی سِلسلہ کی تکذیب نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو لازم تھا کہ جناب پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ و السّلام کی تکذیب کوئی نہ کرتا مگر یہ حکمتِ الٰہی کی خواہش ہے کہ اس بزرگ گروہ کے فیضان سے کچھ تو مستفید ہوتے ہیں اور اکثر محرُوم رہتے ہیں۔ برخلاف اس کے ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ تصوّف کی اصلی حقیقت بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اکثر نام فروش لوگ شریعت کی پیروی چھوڑ کر ایسی باتوں میں زیادہ زور دینے لگ گئے ہیں جو یا تو سراسر مخالفِ شریعت ہیں یا کم از کم مختلف فیہ۔ مگر چُونکہ عوام النّاس ایسی باتوں سے زیادہ دِلچسپی رکھتے ہیں۔ اِس لئے ان کے ذہن میں یہ بات

خوب جم گئی ہے کہ کتاب اللہ اور سُنّتِ صحیحہ تو صرف علماءِ دین کا کام ہے اور سلوک طریقت ایک علیحدہ امر ہے۔ حالاں کہ یہ سراسر گمراہی ہے۔ کیونکہ جو شخص شریعت کے کسی حکم کی مخالفت کرتا ہے اُس کو اہلِ طریقت کے ساتھ کسی قسم کا تعلّق نہیں۔ سلف صُوفیائے کرام کا دستور تھا کہ وُہ کسی شخص کو اپنی بیعت میں نہ لیتے تھے جب تک اُس کو شریعت کے ضروری احکام کا عِلم نہ ہوتا اور اُن کی مجالس میں سوائے کتاب وسُنّت کے اور کچھ ذِکر نہ ہوتا۔ وجہ اس کی یہ تھی۔ کہ کم فہم لوگ بد اِعتقاد ہو کر اُنہیں متّہم کرنے لگ جاتے اور یہ بعینہٖ طریقِ نبوی تھا کیونکہ بموجب کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُولِهِمْ یعنی لوگوں کے ساتھ اُن کی عقل کے موافق گفتگو کرو۔ عام صحابہ کی مجلس میں سب کو یکساں تعلیم ہوتی اور جب حضرت ابُوبکر صدّیق، حضرت علی یا دِیگر اصحابِ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں سے کوئی علیحدہ ہوتا تو خاص خاص معارف و اسرار کا فیضان ہوتا۔ کون کہتا ہے کہ تمام صحابہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے فیضان سے یکساں مستفیض تھے۔

بعض صحابہ اور ائمّہ اہلِ بیت خصُوصاً حضرت ابُوہریرہ اور امام زین العابدین سے منقول ہے کہ سرچشمۂ نبوّت سے ہم نے بعض ایسے علوم سیکھے ہیں کہ اگر ہم اُن کو تم پر ظاہر کریں تو تم یقیناً ہمیں کافر کہنے لگو گے۔ مگر افسوس ہے کہ اکثر عامہ مجالسِ صوفیہ میں بعض ایسے مسائل کا بھی ذِکر ہوتا ہے جن کو ایسے موقع پر بیان نہ کرنا مناسب ہے یا ایسی باتوں پر زور دیا جاتا ہے جن کو بدعت کہا جا سکتا ہے یا اگر بدعت نہ بھی ہوں تو بہرصُورت کتاب وسُنّت سے تو ان کا رتبہ کبھی مقدّم نہیں ہو سکتا۔

حضرت مجدّد صاحب قدّس سرّہٗ نے مکتوبات شریف میں کئی مقامات میں اِس امر پر زور دیا ہے کہ صوفیائے زمان کو عام مجالس میں سوائے کتاب وسُنّت کے اور کچھ بیان نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہمارا زمانہ زمانِ نبوی سے بہت دُور ہو گیا ہے اور خیرات و برکات کم ہو گئی ہیں۔ اِس لِئے محدثات سے خواہ وُہ سیّئہ ہوں خواہ حسنہ بالکل اِجتناب لازم ہے۔ لوگ

روز بروز سُنّت کو ترک کرتے جاتے ہیں اور محدثات کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے جاتے ہیں یہی وجہ ہے سلف صالحین کی نسبت صوفیہ کی مجلس سے بہت کم لوگ اِستفادہ کرنے لگے ہیں۔

طریقِ تصوّف کی ضرورت

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صرف شریعت کے اوامر و نواہی کا پابند ہونا نفس کے تصفیہ و تزکیہ کے واسطے کافی ہے اور کسی شیخِ کامل کی بیعت میں آنا ضروری نہیں کہ کتاب و سُنّت کی پابندی سے اِنسان اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب تک ترقی کر سکتا ہے۔ اور جس نے لیا ہے اسی کی پابندی سے لیا ہے مگر گفتگو یہ ہے کہ مقاماتِ عالیہ مثلاً اخلاص، زُہد، اِتّقا، ورع، توکّل، صبر، رضا اور تسلیم وغیرہ کی حقیقت نہ تو فقط تفسیر و حدیث کے پڑھ لینے سے حاصل ہوتی ہے نہ رسمی طور پر امر و نہی کی پابندی سے۔

دُور کیوں جاتے ہو جن علماء شریعت نے کسی شیخِ کامل کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہیں کیا۔ اور ذکر و مجاہدہ کی منزلیں طے نہیں کیں۔ ان کو مذکورہ بالا مقامات میں اِمتحان کر کے دیکھ لو کہ آیات و احادیث میں تو بال کی کھال اُتار کر دِکھا دیں گے مگر رُوحانیّت سے اُنہیں کچھ بھی بہرہ حاصل نہیں۔ غرور، نخوت، ریا، عُجب، حرص، شہوت اور طلب جاہ وغیرہ امراضِ مُہلکہ میں اسی طرح مبتلا ہیں جس طرح دُوسرے اہلِ دُنیا۔ اِس سے یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ ہر ایک شخص جو برائے نام کسی شیخِ وقت سے بیعت کرے وُہ مقاماتِ عالیہ کو یُونہی طے کر لیتا ہے بلکہ ہزاروں بیعت کنندگان کو دیکھا گیا ہے کہ مقامات تو بجائے خود، وُہ بیچارے ظاہرِ شریعت کی پابندی سے بھی گئے گذرے ہوتے ہیں۔ بلکہ حق یہ ہے کہ شیخِ کامل سے صرف وُہی شخص فیض حاصل کر سکتا ہے جو تمام آدابِ سلوک کا عملی طور پر پابند ہو اور مجاہدہ و ریاضت میں اپنی عُمر کا ایک حِصّہ صرف کرے۔ ورنہ صرف ظاہر احکامِ شریعت کی پابندی جس کا اثر باطن پر کچھ نہ ہو محض رسم و عادت ہے جس کی اہلِ حقیقت کے نزدیک کچھ قدر و منزلت نہیں

شیخ عزّ الدین محدّث رحمۃ اللہ علیہ جو علماء دین میں بڑے مشہور عالم ہو گذرے ہیں مشائخ کی صحبت حاصل کرنے سے اوّل نہایت اصرار و تعصّب کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ یہ کیسا بدعات پھیلانے والا گروہ ہے۔ بھلا کتاب و سُنّت کی پیروی کے علاوہ اَور بھی طریق ہو سکتا ہے۔

مگر جب ایک مرتبہ دمیاط علاقہ مصر میں بڑے بڑے محدّثین و فقہا مثل شیخ تقی الدین اَور شیخ مکین الدّین رحمۃ اللہ علیہما کی مجلس میں آپ کو حاضر ہونے کا اِتفاق ہوا تو امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ تصوّف کی بعض عبارات میں گفتگو شروع ہوئی۔ اتنے میں شیخ ابُوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لائے۔ چونکہ آپ مشائخ وقت میں سے تھے۔ سب نے اِستدعا کی کہ آپ اس کے متعلق کچھ فرمائیے۔ آپ نے جواب دیا کہ اِس قدر علماء و فضلاء کے ہوتے میرے بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر بار بار اصرار پر آپ نے ان مقامات کی ایسی تشریح کی کہ شیخ عزّ الدین بلا اِختیار پکار اُٹھے کہ سُنو سُنو یہ وُہ کلام ہے جو ابھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے نازل ہوا ہے۔ اَور یہ وُہ کلام ہے جس سے حقّانیّت کے انوار چمکتے نظر آتے ہیں۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرّہٗ غنیہ میں فرماتے ہیں کہ شروع سے اللہ تعالےٰ نے رُوحانی تربیت کا سِلسلہ اِس طرح قائم کیا ہے کہ ایک فیض دیتا ہے دُوسرا فیض حاصل کرتا ہے۔ انبیاء علیہم الصّلوٰۃ و السّلام اَور اُن کے جانشین، حواری یا صحابہ اَور اُن کے بعد تربیت یافتہ علیٰ ہٰذا القیاس یہ سِلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اَور یہ امر نہایت ہی شاذو نادر ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کو غیر کی تربیت کے سوا مقاماتِ عالیہ تک ترقی دے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ و السّلام یا حضرت محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یا حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ۔ سو ہم ہرگز اِنکار نہیں کرتے کہ کوئی شخص بلا تربیتِ شیخ مقاماتِ عالیہ تک ترقی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ مگر ہم تمام اِنسانوں کی حالت کو مدّ نظر رکھ کر شیخ کامل کی ضرورت ثابت کرتے ہیں۔ کیونکہ اکثر یہی ہے کہ سوائے تربیتِ شیخ کے کوئی شخص منازلِ سلوک طے نہیں کر سکتا۔ فَلَا یَنْبَغِیْ لَہٗ اَنْ یَّنْقَطِعَ عَنِ الشَّیْخِ حَتّٰی یَسْتَغْنِیَ عَنْہُ

بالوصول اِلیٰ رَبِّہٖ عزّ وَجلّ یعنی شیخ کی خدمت وضرورت سے اُس وقت تک علیحدہ نہیں ہونا چاہیئے جب تک کہ وصول اِلی اللہ یعنی منزلِ مقصود تک نہ پہنچ جائے۔

صاحب جامع الاصول نے بھی اِس مضمون کے متعلق ایک بحث لکھی ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

وُہ لکھتے ہیں کہ قدیم سے رسم چلی آتی ہے اور تجربہ بھی اِس پر گواہ ہے کہ اندرونی نجاستوں اور غلاظتوں سے پاک صاف ہونا اور نماز کو حضورِ قلب اور خشوع سے ادا کرنا جس کو حدیثِ نبوی اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ۔ تو اِس طرح اللہ کی عبادت کرے گویا کہ تُو خدا کو دیکھتا ہے؛ میں لفظِ احسان سے تعبیر کیا گیا ہے شیخ کامل کی تربیت کے سوا ممکن نہیں۔ کیونکہ شیخ ہی اندرونی امراض کا واقف اور ان کے علاج کی مہارت رکھتا۔ یہ بات عِلم کے حاصل کر لینے اور تودہ در تودہ کتابوں کے مطالعہ کر لینے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نفس کی باریک رہزنیوں اور خفی آثار سے بڑے بڑے فقہ و حدیث کے علماء بھی محفوظ نہیں ہیں۔ اور انسان کا اپنا تجربہ اِس میں کافی دلیل ہے۔ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ۔ انسان اپنے نفس سے اچھی طرح واقف ہے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے انوارِ قدسیہ میں شیخ کامل کی پیروی کو واجب ثابت کیا ہے۔ وُہ لکھتے ہیں کہ اندرونی نجاستوں کا دُور کرنا واجب ہے۔ پس اِس طریق کا حاصل کرنا بھی واجب ہوگا جس سے وُہ دُور ہو سکیں اور وُہ سوائے اِتباعِ شیخ کامل کے اَور کوئی طریق نہیں۔ پھر لکھتے ہیں۔ وَلَوْ تَکَلَّفَ لَا یَنْفَعُ بِغَیْرِ شَیْخٍ وَلَوْ حَفِظَ اَلْفَ کِتَابٍ۔ یعنی خود بخود اپنی اِصلاح کرنے لگے تو اُسے کچھ فائدہ نہ ہوگا اگرچہ ہزاروں کتابیں حفظ کر لے۔

سو اَے عزیز تجھے لازم ہے کہ تو کسی شیخِ کامل کی تلاش کرے اور سرکشی نہ کرے اور امرِ آخرت میں غور سے کام لے اور اِس غلط خیال سے بچے رہنا کہ صوفیاء کا طریق کتاب و سُنّت کے برخلاف ہے۔ کیونکہ یہ کفر ہے۔ اِس طائفہ عالیہ کا طریق عین اخلاقِ محمدیہ اور سیرتِ احمدیہ اور سُنّتِ الٰہیہ ہے۔

غور کرو کہ امام احمد بن حنبل اور شیخ عزّالدّین جیسے بڑے بڑے جلیل القدر محدّثین کس طرح آخر کار انکار کے بعد صوفیائے کرام کے فیضِ باطنی کے اقرار پر مجبور ہوئے۔ امام احمد شروع شروع میں اپنے بیٹے کو اس طرح نصیحت کیا کرتے تھے کہ بیٹا دیکھنا کہیں اُن لوگوں کی صحبت میں نہ بیٹھنا جنہیں صوفیائے کرام بولتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ شریعت کے احکام سے بے خبر ہوتے ہیں سو تم نے علمِ حدیث کے سوا کسی اور کام میں نہیں لگنا۔

مگر امام صاحب جب حضرت ابُو حمزہ بغدادی کی مجلس میں بیٹھنے لگے اور دقائق شریعت آپ سے حل کرانے لگے اور آپ کی آنکھیں کھُلیں تو بیٹے کو یُوں فرمایا کرتے کہ بیٹا دیکھنا کہیں اُن لوگوں پر جنہیں صوفیہ کہتے ہیں بدظنّی نہ کرنا اور کبھی اُن کی صحبت سے غافل نہ ہونا۔ کیونکہ یہ اُن اسرار و معارف کے خزانوں پر اطلاع رکھتے ہیں جن سے ہم لوگ بے بہرہ ہیں۔ یہ لوگ حقیقی علوم اور خشیّت اور زُہد و اخلاص کے مالک ہیں جنہیں علماء فِقہ و حدیث سینکڑوں دفتروں سے بھی حاصل نہیں کر سکتے۔

اسی طرح شیخ عزّالدّین کو سخت انکار کے بعد جب شیخ ابُوالحسن شاذلی کی صُحبت سے مستفیض ہونے کا موقع ملا تو یہ کہا کرتے تھے۔ صوفیہ کرام کی حقّانیّت پر یہی کافی دلیل ہے کہ یہ لوگ اہلِ حقیقت ہیں اور دُوسرے صرف رسم و عادت میں پڑے ہیں۔ یہ ان حقائق و معارف اور خرقِ عادت کے مالک ہوتے ہیں جو دُوسروں کو ستّر بار کتابوں کے پڑھنے سے بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مجتہد فرماتے ہیں۔ یَحْتَاجُ الْفَقِيْهُ اِلٰى مَعْرِفَةِ اِصْطِلَاحِ الصُّوْفِيَّةِ لِيُفِيْدَهٗ مِنَ الْعِلْمِ مَالَمْ يَكُنْ عِنْدَهٗ۔ یعنی فقیہ کو صُوفیائے کرام کی اصطلاحات جاننا ضروری ہے تاکہ وُہ اس کو اُن علوم کا فائدہ دیں جن کو وُہ نہیں جانتا۔

اِس موقع پر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر طریقِ صُوفیہ ضروری ہوتا تو کیا وجہ ہے کہ صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جس طرح تمام احکامِ شرعیہ

کی تفصیل و توضیح کی ہے۔ طریقِ صُوفیہ پر بحث کرتے اَور امراضِ قلبی کے اسباب اَور تشخیص و معالجہ کی کیفیّت بتلاتے۔

سو اِس کا جواب یہ ہے کہ اُن بزرگواروں کا زمانہ خیرِ قرون تھا اَور اِس قسم کی بداعتدالیوں سے پاک وصاف تھا۔ عام مسلمان کتاب وسُنّت کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اَور طریقِ سُنّت سے ایک قدم بھی اِدھر اُدھر نہ ہوتے تھے۔ مگر بعد میں جب فلسفہ طبیعتوں پر غالب ہونے لگا اَور لوگوں کے دِلوں میں سے انوارِ نبوّت کی چمک کم ہونے لگی تو علماء ربّانی نے بھی اِس طرف توجّہ کی اَور امراضِ اندرُونی کو دُور کرنے اَور نفسوں کو پاک وصاف بنانے کے لِئے ذِکر وشغل کے لِئے کتاب وسُنّت کے موافق اِجتہاد کرنا شروع کیا۔ معہذا وُہ لوگ جو کتاب وسُنّت میں قرونِ اولیٰ جیسے ائمّہ جیسا عِلم وعمل رکھتے ہوں۔ اُنہیں اگر مشائخ کی ضرورت نہ بھی ہو تو کون سی تعجّب کی بات ہے۔ کیونکہ وُہ کامل اِتّباع سے ظاہر و باطن میں بالکل عین شریعت کا نمونہ ہوتے تھے اَور یہی صُوفی کے معنی ہیں۔

اِس جواب کو اِمام قشیری نے اپنے رسالہ میں اِس طرح بیان کیا ہے۔ اَوَّلُ مَاحَدَثَ ظُهُوْرُ الْاَمْرَاضِ الْبَاطِنِيَّةِ اَوَاخِرُ الْمِائَةِ الثَّالِثَةِ لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ فَمَنْ شَهِدَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ بِالْخَيْرِيَّةِ فَقَدْ حَازَ رُتْبَةَ الْكَمَالِ كُلِّهٖ۔ یعنی امراضِ باطنی کے ظہور کا زمانہ تیسری صدی ہجری کا آخری دَور ہے جیسا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ بہترین اُمّت میرے زمانہ کے لوگ ہیں۔ پھر جو اُن کے بعد ہوں گے۔ سو جن لوگوں کے بارہ میں جناب پیغمبرِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بہتری کی شہادت دی۔ وُہ واقعی تمام کمالات کے جامع ہوں گے۔ اَور یہ بات عقلاً بھی بالکل صحیح و درُست ہے۔ کیونکہ جس طرح آفتاب کے غروب ہو جانے تھوڑی دیر کے لِئے روشنی کا اثر رہتا ہے اَور آہستہ آہستہ رات کی سیاہی چھا جاتی ہے اسی طرح حضُور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے دُنیا سے رُخصت ہو جانے پر بھی آپ

کے انوارِ نبوّت کا عکس صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے پاک دلوں پر برابر چمکتا رہا حتّٰی کہ آہستہ آہستہ بدعات نے زور پکڑا اور ایک عام اندھیرا سا چھا گیا۔ ایسے نازک وقت میں غیرتِ الٰہی نے یہ خواہش کی کہ اولیائے کرام اور اصفیائے عظّام کو مختلف ملکوں اور مختلف زبانوں میں مبعوث فرمایا جائے تاکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی حقیقی تعلیم کا سلسلہ بدستور جاری رہے پس جو شخص رسم و عادت کے اسلام کو چھوڑ کر حقیقت کی طرف آنا چاہتا ہو اور جزوی مسائل میں بحثِ نامناسب کو چھوڑ کر تعصّب سے پاک ہو چکا ہو اور بدظنّی سے جو منکرین کے سُنے سُنائے الفاظ سے اس کے دِل میں جاگزیں ہو گئی ہو بالکل محفوظ ہو چکا ہو، ایک دم کے لِئے بھی شیخِ کامل کی ضرورت سے اِنکار نہیں کر سکتا۔ دیکھو متاخّرین میں حافظ ابنِ حجر شارح صحیح بُخاری کس درجہ کے محدّث ہیں وُہ کس زور کے ساتھ اِس خیال کی تصدیق کرتے ہیں۔ حَیْثُ قَالَ فَلْیَتَّخِذْ ثِقَةً وَّ حُجَّةً وَّلَا یَلْتَفِتْ اِلٰی مَنْ یَّتَعَصَّبُ وَلْیَتَحَرَّ اَوْرَعَ الْمَشَائِخِ وَاَعْرَفَهُمْ بِقَوَانِیْنِ الشَّرِیْعَةِ وَالْحَقِیْقَةِ وَلْیَتْرُكْ رُسُوْمَهٗ وَلْیَدْخُلْ تَحْتَ اِشَارَتِهٖ وَمَنْ ظَفِرَ بِشَیْخٍ هٰذَا الْوَصْفِ فَحَرَامٌ عَلَیْهِ اَنْ یَّتْرُكَهٗ وَیَدُلُّكَ عَلَیْهِ الْاَدِلَّةُ الْاَرْبَعُ بَلْ یَشْهَدُ لَهُ الْكُتُبُ السَّمَاوِیَّةُ۔ یعنی طالبِ خدا کو چاہیئے کہ کسی شیخ عارفِ کامل کو اپنا راہبر مقرر کرے اور اہلِ تعصّب کی باتوں کو ہرگز نہ سُنے اور یہ خیال رکھے کہ شیخ عارفِ کامل ہو اور احکامِ شریعت و طریقت میں پُورا واقف ہو۔ اور چاہیئے کہ رسم و عادت کے اِسلام کو چھوڑ کر اپنے شیخ کے حکم پر چلے اور جب کسی شخص کو ایسا راہبرِ کامل مِل جائے تو اُس پر حرام ہے کہ اُسے چھوڑ دے۔ اور ہمارے اِس دعوے پر کتاب و سُنّت، اجماعِ اُمّت اور قیاس صحیح چاروں شہادت دے چکے ہیں بلکہ چاروں آسمانی کتابیں اس دعویٰ کی مثبت ہیں۔

اِس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں کُتبِ تصوّف میں درج ہیں لیکن طالبِ حق کے لِئے اِسی قدر کافی ہے۔ اگرچہ تعصّب والے لوگ اِس مضمون سے بہت کم متاثّر ہوں گے۔ مگر ممکن ہے کسی صاحبِ سعادت کو اپنے غلط خیال کی اِصلاح کا موقعہ مِل جائے اور مجھے بھی سعادت

حاصل ہو ورنہ ؎

بمقبولی کسے را دسترس نیست
قبولِ مقبلاں در دستِ کس نیست

وُہ آداب جو مُریدوں کے لئے ضروری ہیں

واضح ہو کہ مُرید اپنے شیخ کا جس قدر زیادہ اَدب کرے گا اُتنی ہی محبّت زیادہ بڑھے گی اور جُوں جُوں محبّت بڑھتی جائے گی اُتنا ہی جلدی اُس کو کمال حاصل ہوگا۔ شریعت، طریقت و معرفت سب مجمُوعۂ آداب ہیں۔ جب تک آداب کی رعایت نہ کی جائے گی۔ کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بے اَدب کسی مقام و درجہ تک نہیں پہنچتا۔ بلکہ وُہ رحمتِ الٰہی سے محرُوم رہتا ہے۔ مولینا رُوم صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

از خُدا خواہیم توفیقِ اَدَب   بے اَدب محرُوم ماند از لُطفِ ربّ
بے اَدب خود را نہ تنہا خوار کرد   بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

یعنی ہم خُدا سے اَدب کی توفیق مانگتے ہیں۔ بے اَدب خُدا کی مہربانی سے محرُوم رہتا ہے۔ بے اَدب اپنے آپ ہی کو خوار نہیں کرتا بلکہ تمام جہان کو خراب کرتا ہے۔

شیخ جلال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مَنْ لَّا اَدَبَ لَہٗ لَاشَرِیْعَۃَ لَہٗ۔ جس کو اَدب نہیں اُس کو شریعت کی بھی خبر نہیں۔

ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مَنْ لَّمْ یَتَاَدَّبْ بِاُسْتَاذٍ فَھُوَ بَطَّالٌ۔ جس نے کسی پیرِ طریقت سے اَدب نہیں سیکھا وُہ جھوٹا مکّار ہے۔

عبداللہ بن مُبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اٰدَابُ الْخِدْمَۃِ اَعَزُّ مِنَ الْخِدْمَۃِ آدابِ خدمت کو ملحُوظ رکھنا خدمت کرنے سے بڑھ کر ہے۔ یہی بزرگ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ بہت عمل کی نسبت ہم کو اَدب کی زیادہ ضرورت ہے۔

شیخ الشیوخ کا قول ہے مَنْ لَّا اَدَبَ لَہٗ لَا اِیْمَانَ لَہٗ وَلَا تَوْحِیْدَ لَہٗ۔ جس کو ادب نہیں اُس کا ایمان و توحید کچھ نہیں۔

خواجہ بُوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اَلْعَبْدُ یَصِلُ بِطَاعَتِہٖ اِلَی الْجَنَّۃِ وَ بِاَدَبِہٖ یَصِلُ اِلَی اللّٰہِ۔ بندہ طاعت سے جنّت میں پہنچ جاتا ہے اور ادب سے اللہ تعالےٰ کے ساتھ واصل ہوجاتا ہے۔

خواجہ ابنِ عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جو اَدب سے محرُوم رہا وُہ تمام کمالات سے محرُوم رہا۔

کہتے ہیں کہ حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اِتنا اَدب رکھتے تھے کہ عیال کے سامنے بھی ناک تک صاف نہ کیا کرتے تھے۔

ابُوحفص حدّاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ظاہر کا حُسنِ ادب باطن کے حُسنِ ادب کی علامت ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ لَوْ خَشِعَ قَلْبُہٗ لَخَشِعَ جَوَارِحُہٗ۔ اگر اس کا دِل جُھکتا تو اس کے اعضاء بھی جُھکتے۔ چنانچہ نقل ہے کہ ابُوحفص حدّاد ایک دفعہ حج کو جارہے تھے۔ جب بغداد میں پہنچے تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اِستقبال کیا۔ ابُوحفص پیر تھے۔ مُرید آپ کے سامنے پاؤں کے بل کھڑے رہتے اور بہت اچھا ادب بجالایا کرتے تھے۔ حضرت جنیدؒ نے عرض کیا کہ آپ نے تو یاروں کو شاہی آداب سکھائے ہیں۔ فرمایا کہ دوستانِ حق کے ظاہری آداب کو نِگاہ رکھنا حق تعالیٰ کے باطنی آداب کو نگاہ رکھنے کی علامت ہے۔

نقل ہے کہ حضرت جُنیدؒ نے ایک مُرید کو شیخ ابوحفصؒ حدّاد کی خدمت میں نہایت مؤدّب دیکھ کر پوچھا کہ یہ جوان کب سے آپ کی خدمت میں ہے۔ فرمایا۔ دس سال سے۔ کہا کہ اِس جوان میں بڑا اَدب اَور کمال شائستگی ہے۔ فرمایا کہ ہاں، اٹھارہ ہزار دینار اپنی گرہ سے اِس نے ہماری ضروریات میں خرچ کیے ہیں۔ بلکہ اٹھارہ ہزار اَور قرض لے کر ہم پر ایثار کیے ہیں اور ابھی تک اِس کو یہ جرأت نہیں کہ ہم سے سوال کرے۔

خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشائخ کی خدمت مال وجان وتن سے کرو۔ اور اُن کے افعال پر انکار نہ کرو کہ ان کا منکر ہرگز خلاصی نہ پائے گا۔

محمّد بن فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بدبختی کی علامت یہ ہے کہ صالحین کی صحبت نصیب ہو اور پھر اُن کی عزّت وحُرمت سے محرُوم رہے۔ علم ہو اور عمل نصیب نہ ہو۔ عمل کرتا ہو لیکن اخلاص نہ ہو۔

ابو بکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر میں نے بادشاہ کی خدمت نہ کی ہوتی تو مشائخ کی خدمت نہ کر سکتا۔ اور اگر مشائخ کی خدمت نہ کی ہوتی تو حق تعالیٰ کی خدمت نہ کر سکتا۔

ابو عمرو ذغانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مَیں تیس ۳۰ سال تک حضرت جُنید رحؒ کے پاخانہ کو اپنے ہاتھ سے صاف کرتا رہا۔ اور مَیں اس پر فخر کیا کرتا تھا۔

مجمع السلوک میں لکھّا ہے کہ جب تک مُرید میں یہ دو صِفتیں نہ ہوں گی تب تک شیخ کی ولایت کا تصرّف مُرید میں کامل طور پر نہ ہو گا۔ اوّل یہ کہ مُرید گستاخی میں ایسا ہو جیسا بیٹا باپ کے ساتھ ہو۔ دُوسرے یہ کہ ایسا مؤدّب ہو جیسے غلام بادشاہ کی خدمت میں۔ کیونکہ مشائخ طریقت کا اِتفاق ہے کہ مَنْ دَخَلَ بِالْاَدَبِ وَصَلَ۔ جو ادب سے داخل ہؤا وُہ واصل ہو گیا۔

ابُو عبیدہ سنجری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صالحین کی صحبت اور اُن کے افعال و اخلاق کی اِقتدار۔ اور دوستانِ حق کی قبروں کی زیارت اور یاروں اور فقیروں کی خدمت مُریدوں کے لئے نہایت مُفید ہے۔

شیخ محی الدّین ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مُرید کو چاہیئے ——— کہ ایسے شیخ کی بیعت وصُحبت اختیار کرے جس کی اس کے دِل میں عزّت ہو۔ اور مجبوراً بیعت نہ کرے۔ اور شیخ سے جو کچھ دیکھے اعتراض نہ کرے اور اس کے کلام کی تاویل نہ کرے بلکہ اس کے اسرار سے واقفیّت پیدا کرے اور اس کی ظاہر کلام پر استقامت کرے تاکہ اشارات

پر ترقی کر جائے۔ اور یہ دروازہ اس کے لئے کھل جائے۔ اور اس سے مطالبہ نہ کرے خواہ سمجھے یا نہ سمجھے بلکہ ادب سے قبول کرے۔ اور اپنے آپ کو کمترین مریدوں سے جانے۔ اور اپنے اوپر کسی کا حق نہ جانے اور نہ کسی پر اپنا حق جو واجب الادا ہو۔ بلکہ اعتقاد کرے کہ اس کے وجود میں شیخ کے حق کے سوا اور کسی کا حق نہیں ہے۔ اور نفس کو شیخ کے ادب کے سوا کسی اور امر میں مشغول نہ کرے۔ اور شیخ کے سجّادہ پر پاؤں نہ رکھے اور نہ ہی اس کا کپڑا پہنے مگر وہ جس کے پہننے کے لئے حکم کرے۔ اور شیخ سے ایسا سوال نہ کرے جو جواب طلب ہو بلکہ جو کچھ دل میں گذرے عرض کر دے۔ اگر شیخ نے جواب دیا تو بہتر ورنہ جواب طلب نہ کرے کہ یہ بے ادبی ہے۔ اور جو خطرہ دل میں آئے شیخ سے ظاہر کر دے۔ ورنہ اس کی تکلیف مرید کو پہنچے گی اور ہلاک ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر مریض اپنی بیماری طبیب کے سامنے ظاہر نہ کرے تو وہ دوا کیا کرے گا۔

اور دل کو شیخ کے فرمائے ہوئے ذکر سے آباد رکھے۔ جب غافل ہو اور برا خطرہ دل میں گذرے تو ذکر کی طرف رجوع کرے کیونکہ اگر غفلت نہ ہوتی تو برا خطرہ دل میں نہ آتا۔ کیونکہ دل ایک وقت میں دو کام نہیں کر سکتا یعنی ذکر میں بھی مشغول ہو اور خطرۂ بد بھی اس پر گذرے۔ اور جب برے فعل سے اس کو لغزش آجاتے تو جو شیخ حکم کرے مان لے۔ کیونکہ وہ بندہ جو صادق ہو اور شہوات کو خدا کے لئے ترک کرے۔ حق تعالیٰ شہوت کو اس کے دل سے دور کر دیتا ہے بشرطیکہ مرید کی توجّہ خدا کی طرف کامل اور صحیح ارادہ سے ہو۔

مرید کو چاہیئے کہ شیخ کے ساتھ ایسا ہو جیسے مردہ غسّال کے ہاتھ۔ کہ وہ اپنے لئے کوئی تدبیر نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کا ارادہ شیخ ہی کا ارادہ ہو۔ اس حال میں بہتر ہے کہ اس کو مرید نہ کہیں۔ کیونکہ شیخ کے ارادہ کے مقابلہ میں اس کا کوئی ارادہ نہیں رہا بلکہ شیخ کے ارادہ میں فانی ہے۔ کیونکہ مرید مبتدی کا نام ہے جو طالب حق تھا اور راستہ نہ جانتا تھا۔ پھر اسے مرشد کی طلب ہوئی۔ پس اس کو تسلیم و فرماں برداری واجب ہے اور اعتراض ترک کرنا لازم ہے۔

مُرید کو چاہیئے کہ احکامِ توبہ کے حاصل کرنے کے بعد ہمیشہ بھوک، بے خودی، خاموشی اور گوشہ نشینی کی عادت اختیار کرے۔ اگر مرید خلوت نہ کر سکے تو کسی صالح آدمی کی صُحبت اختیار کرے اور اُس کی اطاعت بجالائے۔ جب تک مُرید اپنے نفس کا عارف نہ ہو اُس کے لئے صحبتِ مُرشد اور اکلِ حلال ضروری ہے۔ اگر حلال نہ ملے تو حالتِ اضطراب میں مشتبہ بھی جائز ہے۔

مُرید کو لازم ہے کہ شیخ کے کلام میں جدال نہ کرے اگرچہ حق بجانب مُرید ہو۔ شیخ ایسے کلام کو کسی مصلحت کے سوا نہیں کہتا۔ اور جدال ایک قسم کا اعتراض ہے اور اعتراض شیخ سے حرام ہے۔ اور جدال کرنے والا مُرید مسخرہ شیطان ہوتا ہے اور ہوائے نفس میں غرق ہے۔ اہلِ طریق کے نزدیک اُس کی بُرائی ظاہر ہے فعلِ مباح جس میں شیخ نے منع کیا ہو علماء کے اقوال پر حجّت لانا مُرید کی بدبختی کی علامت ہے۔ ایسا مُرید ہرگز فلاح نہیں پاتا۔

مرید کو چاہیئے کہ امرِ مختلف فیہ میں اجماعِ اُمّت کی طرف رجوع کرے۔ اور اگر بعض مسائل میں معلوم نہ کر سکے تو اشدّ و احوط اختیار کرے اور رُخصت پر نہ جائے۔

مُرید کو چاہیئے کہ مال وجاہ سے باہر آئے۔ جن کے نکلنے کی زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ اور یہ اعتقاد کرے کہ اس کے شیخ کا طریق سب طریقوں سے زیادہ افضل و اشرف ہے ورنہ دُوسرے طریقوں کا شوق بڑھ جائے گا۔ اور یہ بات اس کے حق میں اچھی نہیں ہے۔

مُرید کو چاہیئے کہ بیہودہ نظر سے بچے۔ اور فضول کلام سے ایسا محترز رہے کہ اگر اُس کو ہم نشینوں کے اقوال کی بابت پُوچھیں تو اُس کو کچھ خبر نہ ہو۔ بلکہ شیخ کے سامنے اِس طرح خائف ہو کر بیٹھے گویا چور کو سزا دینے کے لئے لائے ہُوئے ہیں۔

مُرید کو لازم ہے کہ اپنے شیخ کو شریعتِ حقّہ پر جانے۔ اگرچہ شیخ سے بظاہر کوئی امر مذموم دیکھے۔ ممکن ہے کہ حقیقت میں وُہ محمُود ہو۔ اس کو تسلیم واجب ہے۔

مُرید کو لازم ہے کہ جب شیخ اُس کو کوئی کام فرمائے تو بے توقّف بجالائے اور کسی اور باعث سے نہ رُک جائے۔ بلکہ اگر نماز نفل بھی درپیش ہو تو اُس کو بھی چھوڑ کر پہلے شیخ کا امر بجا

لئے۔ اور جو کچھ شیخ اس کے ساتھ شرط کرے۔ اس کو پورا کرے۔ خواہ وہ کام سخت ہو خواہ آسان۔ اور شیخ سے کوئی شرط نہ کرے کہ مُردہ کی کوئی شرط غسّال سے نہیں ہوتی۔ اور جب تک اپنا کام خود کر سکتا ہو کسی کو تکلیف نہ دے۔ اور ہرگز کوئی کام نہ کرے جب تک پہلے اِس میں دیکھ نہ لے کہ آیا اس میں مرضی حق ہے یا نہیں۔ اور اِس امر کا خواہاں نہ ہو کہ لوگ اس کی تعظیم کے لئے آئیں اور اس سے تبرّک حاصل کریں ورنہ اس کے لئے بہتر نہ ہوگا۔

مُرید کو چاہیئے کہ اپنے شیخ کے حق میں اِس بات کا معتقد ہو کہ وُہ عالم باللہ اور خلق کے لئے ناصح مشفق ہے۔ نہ یہ کہ اس کو بالکل معصوم جانے کیونکہ معصُومیّت تو انبیاء کرام کے ساتھ خاص ہے۔

نقل ہے کہ کسی شیخ سے کوئی بُرا فعل سرزد ہُوا۔ اُس نے اپنے مُرید سے کہا کہ تو نے مجھ سے ایسا فعل سرزد ہوتا دیکھ لیا ہے مجھ سے الگ ہو جا اور کسی اور شیخ کی صحبت میں چلا جا۔ مُرید نے کہا کہ میرے دل میں اِس امر کی نسبت کچھ نہیں گذرا۔ میں نے آپ کی صحبت عالم باللہ ہونے کی وجہ سے اختیار کی ہے۔ اور میں آپ کو طریقت میں عالم جانتا تھا، نہ یہ کہ بالکل معصوم سمجھتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اِس اعتقاد سے مُرید پر ایسا حال مفتوح ہُوا کہ اپنے زمانہ کا شیخ کامل بن گیا۔

مُرید جب شیخ کی منزل یا گھر میں جائے تو اپنے دل میں خیال کرے کہ وہیں اس کی قبر ہے وہاں سے نکلنے کا ارادہ نہ کرے۔

مُرید کو چاہیئے کہ امانت دار ہو اور شیخ کے اسرار کو پوشیدہ رکھے اور بے اجازت ظاہر نہ کرے۔ نقل ہے کہ کسی مُرید نے امانت کا دعویٰ کیا۔ اور اپنے شیخ سے اسرار طلب کئے لیکن شیخ نے اُس کو امین نہ جانا۔ ایک دن اُس کو آزمانا چاہا۔ اپنے کسی مرید کو گھر بلا کر چھپا رکھا۔ اور خفیہ طور پر ایک بکرا لا کر ذبح کیا۔ اور اُس کے خون سے اپنے آپ کو آلودہ کیا اور بکرے کو حجرہ کے اندر دفن کر دیا۔ اتنے میں وُہ مدّعی مُرید بھی حاضر ہُوا۔ شیخ کو خُون آلودہ دیکھ کر

اس کا سبب پوچھا۔ شیخ نے کہا کہ فلاں مُرید پر مجھے غصہ آگیا تھا اُسے قتل کر کے اِس جگہ دفن کر دیا ہے۔ اس قتل کا معارضہ اُس نے ہوائے نفس سے کیا تاکہ وُہ جھوٹا نہ ہو۔ اور اس مدّعی سے کہا کہ یہ بھید میرے اور تیرے درمیان امانت ہے کسی سے نہ کہنا۔

اُس نے مقتول کے باپ سے یہ ماجرا بیان کیا۔ رفتہ رفتہ بادشاہِ وقت تک یہ نوبت پہنچی۔ تفتیش و تلاش شروع ہوئی۔ حجرہ کھودا گیا تو اُس سے مُردہ بکرے کی لاش برآمد ہُوئی۔ وُہ مدّعی خجل و شرمندہ ہُوا۔ بھلا پھر ندامت سے کیا فائدہ۔

فتوحات میں لکھّا ہے کہ خدا کی حُرمت شیخ کی حُرمت میں ہے۔ اور شیخ کا عقوق خدا کا عقوق ہے۔ پس جو کوئی اپنے شیخ سے محبّت رکھے جس کی وُہ اِقتداء کرتا ہے اور اس کی عزّت و حُرمت بجا نہیں لاتا اُس کی عقوبت یہی ہے کہ وُہ اپنے دِل کو حق کا ہم نشین نہیں پائے گا اور حق تعالیٰ سے بے ادب اور غافل رہے گا۔ کیونکہ اہلِ ادب ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذی عزت ہیں۔ اور یہ دروازہ بسبب بُرائی کے اس کے لئے مسدُود ہے۔ اور کوئی مایُوسی اور نا اُمیدی مُرید کے لِئے اِس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ وُہ شیخ کی عِزّت نہ کرے۔ کیونکہ جب مُرید شیخ کی عِزّت و حُرمت ترک کر دیتا ہے خدا تعالیٰ اس کے دِل سے نورِ ایمان کھینچ لے جاتا ہے۔ پس جب تک مُرید کے دِل میں شیخ کی عِزّت ہو۔ اُس کی خدمت میں قیام کرے ورنہ اُس کی صحبت سے دُور ہو جائے اور ایک ساعت بھی نہ ٹھہرے کہ اس کے لِئے ضرر ہے۔ کیونکہ شیخ کی صحبت میں حصُولِ نفع اِسی شرط سے مشروط ہے کہ شیخ باطنِ مُرید میں معزّز و مکرّم ہو۔ جب پھر شیخ کی عِزّت دِل میں ہو جائے آجائے۔ اور اس کی صحبت میں قیام کرے۔

نفحات میں ہے کہ ابراہیم بن شیبان الکرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی مشائخ کی حُرمت کو نگاہ نہیں رکھتا۔ جھوٹے دعووں اور بے فروغ لاف و گذاف میں گرفتار اور ذلیل و خوار ہو گا۔

مجمع السّلوک میں ہے کہ اُس آدمی پر خُدا کی بڑی رحمت ہے جو اپنے مخدوم کی پیروی

رضا جوئی اور خوبی کے ساتھ کرے۔

ابُوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مُرید کے لئے اِتّباعِ نفس سے سفر کرنے کے سوا اور کوئی بہتر سفر نہیں جانتا ہُوں۔ کیونکہ اور باطل سفروں سے تو فساد ہی فساد پیدا ہوتے ہیں۔

ابُوعلی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی بزرگوں کے ساتھ عزّت و حُرمت سے صحبت نہ رکھے اُن کا فائدہ اور اُن کی نظر کی برکت اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ اور اُن کا کوئی نور اس پر ظاہر نہیں ہوتا۔

شیخ نظام الدین قدّس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ طریقت کے آفات و بلیّات سات قسم پر ہیں۔ اعراض، حجاب، تفاصل، سلبِ مزید، سلبِ قدیم، تسلّی اور عداوت۔ مثلاً اگر محبّ یعنی مُرید سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جو محبوب یعنی شیخ کے ناپسند و مکرُوہ ہو اور شیخ مُرید سے منہ پھیر لے، یہ اعراض ہے۔ اگر مُرید اس فعل سے باز آجائے اور توبہ کرلے اور عذر سے پیش آئے تو وُہ اعراض اقبال سے بدل جاتا ہے اور رشتۂ محبّت قائم ہو جاتا ہے۔

اور اگر مُرید اسی طرح اپنے اس فعل پر اصرار کرتا رہے تو حجاب پیش آجائے گا اور وہ شیخ سے محجُوب ہو جائے گا۔ اور اگر مُرید اس سے بھی پشیمان نہ ہُوا اور عذر خواہی نہ کی تو نوبت جُدائی تک پہنچ جاتی ہے یعنی شیخ مُرید سے جُدائی اختیار کرے گا۔ اگر مُرید اِس پر بھی متنبّہ نہ ہُوا تو سلبِ مزید ہو جاتا ہے۔ یعنی نوافل اور اذکار و وظائف میں فتور پڑ جاتا ہے۔

اور اگر اِس سے بھی باز نہ آئے تو سلبِ قدیم ظاہر ہو جاتا ہے یعنی فرائض و واجبات کے ادا کرنے میں سُست ہو جاتا ہے۔ اور طاعت کی توفیق اور اُس کی لذّت اُس سے دُور ہو جاتی ہے۔

اگر اِس پر بھی مُرید توبہ نہ کرے تو تسلّی واقع ہو جاتی ہے۔ یعنی فرائض و واجبات کے فوت ہو جانے پر اُس کو کوئی غم یا ندامت نہیں ہوتی بلکہ اس کا دل شیخ کی جُدائی پر

آرام و قرار پکڑ جاتا ہے۔ اگر اسی طرح غفلت و سستی میں پڑا رہے تو عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور دوستی کا معاملہ دشمنی سے بدل جاتا ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔ اللہ تعالیٰ اِن آفات سے بچائے۔

رسالہ غریب میں ہے کہ جو کام شیخ اپنے مُرید کو فرماتا ہے وُہ ایک خلعتِ اِلٰہی ہوتی ہے جو اُس کو دی جاتی ہے اور جہاں جاتا ہے اُسی خلعت کی حمایت میں رہتا ہے۔ اور پیر کا فرمان خدا کا ہی فرمان ہوتا ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ جہانگیر بادشاہ نے شیخ حامد جونپوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ یہ جو کہتے ہیں کہ پیر پرستی خدا پرستی سے بہتر ہے اِس کے کیا معنی ہیں۔ شیخ نے فرمایا یہی کہ یہ فقیر گھر سے نکلا تھا کہ بے وسیلہ بادشاہ کی خدمت میں پہنچے اور مقصود حاصل کرے۔ بہت مدّت تکلیف اُٹھائی۔ اور جو گھر سے لایا تھا وُہ بھی صرف ہو گیا بلکہ قرضدار بھی ہو گیا لیکن نہ تو بادشاہ کی ملاقات نصیب ہوئی اور نہ ہی مقصد حاصل ہوا۔ اور پیر کی بدولت ہم نے خدا کو پہچان لیا اور کئی قسم کے مطلبوں سے بہرہ ور ہوئے پس پیر پرستی خدا پرستی سے بہتر ہے۔

جواہر السلوک میں ہے کہ مُرید مبتدی اس کو کہتے ہیں جو تمام ظاہری باطنی علاقوں سے منقطع ہو اور خلقت سے کوئی اس کا پیوند نہ رہا ہو۔ اس کا کام ترکِ ماسوی اللہ اور اس کے اوقات ذِکرِ الٰہی، صوم و صلوٰۃ، دوام وضوء اور خدمتِ اصحاب سے معمور ہوں۔ اور اپنے آپ کو معہ اپنی مُرادات کے پیر کے سپرد کیا ہو۔ اگر مُرید کے دِل میں پیر کی مُراد کے سوا کچھ اور ہو تو وُہ پیر کا مُرید نہیں بلکہ اپنی مُراد کا مُرید ہے۔ کیونکہ ارادت رسم و عادت کا نام نہیں بلکہ ترکِ اِرادت ہے۔

۵ تا رہبرِ تست رسم و عادت — دُوری ز حقیقتِ اِرادت
خواہی کہ شود مُراد حاصل — پیرے طلب اے جوان عاقل
خود را بر کابِ رہبرے بند — تا باز رہاندت ازیں بند
از عیدِ خُدا چُوں غسل کردی — خود بارِ دِگر بکس نہ کردی

ترجمہ

تیرے رہبر ہیں جب تک رسم و عادت — نہیں تُو جانتا کیا ہے ارادت

تُو چاہے گر ترا مطلب ہو حاصل ‏ طلب کر پیر کی گر تُو ہے عاقِل
کِسی زہبر کی تو کر لے غلامی ‏ کرلے قطع تعلّق جو تمامی
کِیا جب ماسوی اللہ ترک دل سے ‏ تو چاہیئے غیر کو ہرگز نہ دیکھے

مُریدِ متوسّط کا کام زاہدوں اُور عابدوں کے معاملہ کے برخلاف ہے۔ کیونکہ مُرید طالب ہے۔ اُور طالب کا کام یہ ہے کہ خارجی طہارت کی طرح اُس کو باطنی طہارت بھی حاصل ہو۔ صرف تلاوت، صوم وصلوٰۃ تک ہی اُس کا کام نہیں رہنا چاہیئے۔ اَلْاِشْتِغَالُ بِالْعُلُوْمِ الشَّرْعِیَّۃِ وَتِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ اُمُوْرٌ حَسَنَۃٌ وَّلٰکِنَّ شَانَ الطَّالِبِ شَانٌ اٰخَرُ۔ علومِ شریعت اُور تلاوتِ قرآنِ مجید میں مشغول ہونا بے شک اچھے کام ہیں لیکن طالب کا شان کچھ اُور ہی ہے۔ اُور وُہ یہ ہے کہ تمام صفاتِ رذیلہ مثل ہوا و حرص، بُخل و کبر، حسد و ریا، سمعہ و خیانت و حُبّ ماکول و مشروب حُبّ مدح و ذمّ و خیر و شر وغیرہ سے اس کا باطن پاک و صاف ہو جائے۔ اُور تمام اخلاقِ حمیدہ سے مُتّصِف ہو جائے۔ اُور جو چیز اس کو یادِ خُدا و مشاہدہ سے مانع ہو اُس کا دُور و الگ کرنا اس کے لئے فرضِ عین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَا اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ اَے اِیمان والو تم کو تمہارے مال و اَولاد میرے ذِکر سے غافل نہ کریں اُور جس نے ایسا کیا وُہی گھاٹے والے ہیں ان کا مقصُود کاروبار سے حضرتِ حق ہوتا ہے۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ یعنی بتحقیق میری نماز و عبادت اُور میرا مرنا و جینا اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہان کا پالنے والا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اُن کا قول۔ اُور یُرِیْدُوْنَ وَجْہَہٗ اللہ ہی کے طالب ہیں اُن کا حال ہوتا ہے یعنی دُنیا و آخرت پر راضی نہیں ہوتے۔ اُور دِل کو اغیار کی محبّت سے پاک کرتے ہیں۔ اُور جو کچھ کرتے ہیں خالصاً لِوجہ اللہ کرتے ہیں۔ نہ دوزخ کے خوف اُور بہشت کے طمع پر۔ کیونکہ وُہ ذاتِ خُدا کے طالب ہیں عوض کے طالب نہیں۔

مُریدِ مبتدی کو جب تک طریقت میں اِستقامت نہ ہو تب تک شیخ کی صحبت سے

تنہائی اختیار نہ کرے۔ ورنہ شیطان اُس کا ہم نشین ہو کر جلد ہی اس کو فتنہ میں ڈال دے گا۔

حضرت یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ مُرید پر کیا چیز بہت سخت ہے۔ فرمایا کہ ناجنس اور اغیار کی ہم نشینی۔

مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقبول مُرید کی علامت یہ ہے کہ وُہ ہرگز بیگانہ آدمی کے ساتھ صحبت نہیں رکھتا۔ اور اگر صحبت کا اتفاق ہو بھی جائے تو اِس طرح بیٹھتا ہے جس طرح منافق مسجد میں۔ لڑکا مکتب میں اور قیدی قید خانہ میں۔

حضرت شیخ مجا قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خلیفہ شیخ ابُو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایک مکتوب لکھا کہ میری جان! مُرید کے لئے تنہا رہنے سے صحبت بہتر ہے۔ کیونکہ تنہائی میں آفات ہیں اور صحبت میں حالات۔ اور پیر کی ایک ساعت کی صحبت خلوت سے کئی درجہ بہتر ہے۔ اور خلوت تب اختیار کرے جب خلوت و صحبت اس کے لئے یکساں ہو۔ اگر مرید اس مرتبہ تک نہ پہنچے اور خلوت کا طالب ہو تو اس صورت میں خلوت اِس کے لئے مُوجب آفت ہے۔ میری جان مُرید کو پیر کی صحبت نمازِ پنج گانہ و روزہ رمضان کی طرح فرض جاننی چاہیئے۔ اور اس پر عمل کرنا چاہیئے تاکہ اس پر حالات منکشف ہوں۔

حضرت ذُوالنّون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مُرید آدابِ شیخ کو ترک کر دے تو پھر اُسی جگہ پر آجاتا ہے جہاں وُہ پہلے تھا۔ کیونکہ اُس کی ترقّی کے اسباب یہی آداب تھے۔ جب اسباب درمیان میں نہ رہے تو وُہ ضرور پہلی حالت پر آجائے گا۔ کیونکہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ شیخ کے حقوق پیغمبروں کے حقوق کی مانند ہیں اور والدین کے حقوق سے زیادہ ہیں۔

فوائد السّالکین میں لکھّا ہے کہ خواجہ معین الدّین چشتی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مَیں ایک دفعہ شیخ یُوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک آدمی بیعت ہونے کے لئے آیا اور اپنا سر خواجہ کے قدموں پر رکھ کر عرض کیا کہ مَیں بیعت ہونے کے لئے آیا ہُوں۔ خواجہ پر حال طاری تھا۔ فرمایا اگر تُو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ چشتی رَسُولُ اللّٰہ کہے تو تجھے

مُرید بنا لیتا ہُوں۔ چُونکہ وُہ صادق و راسخ الاعتقاد تھا اُس نے ایسا ہی کہہ دیا۔ خواجہ نے اُس کو مُرید بنا لیا اَور فرمایا کہ کلمہ وُہی ہے جو لوگ پڑھتے ہیں میں تو جناب رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی درگاہ کے کمینہ چاکروں میں سے ہُوں۔ تیرے صدق و اعتقاد کی آزمائش کے لِئے ایسا کہا تھا۔

سیر الاولیاء میں لکھّا ہے کہ ایک آدمی شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اَور عرض کیا کہ مَیں آپ کا مُرید ہونا چاہتا ہُوں۔ شیخ نے فرمایا کہ مَیں تجھے اِس شرط پر قبول کرتا ہُوں کہ جو کچھ میں تجھے کہوں اُس کو بجالائے۔ اُس نے کہا دِل و جان سے بجالاؤں گا۔ شیخ نے فرمایا کہ تو کلمہ کِس طرح پڑھا کرتا ہے۔ اُس نے کہا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ۔ شیخ نے فرمایا کہ نہیں اِس طرح پڑھ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ شِبْلِی رَسُوْلُ اللہِ۔ اُس نے فوراً اُس طرح پڑھ دیا۔ اُس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ اَے عزیز! شبلی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ادنیٰ چاکروں میں سے ہے۔ مَیں تو صرف تیرے اعتقاد کو آزما رہا تھا۔ پھر اُس کو مُرید بنا لیا۔

سُلطان المشائخ سے پُوچھا گیا کہ ایک مُرید بہت زاہد و عابد ہوتا ہے لیکن اُس میں پیر کی محبّت کم ہوتی ہے۔ اَور ایک دُوسرا ایسا ہوتا ہے کہ اُس کو پیر کی محبّت بہت ہوتی ہے لیکن طاعات و نوافل کی طرف رغبت کم ہوتی ہے۔ ان دونوں میں سے کِس کا درجہ بڑھ کر ہے۔ فرمایا جو شیخ کا زیادہ محبّ و معتقد ہے اُس کا درجہ دُوسرے کے درجہ سے بہت بلند ہے۔ کیونکہ اس کا اخلاص والا وقت اُس سُست اخلاص والے کے تمام اَوقات پر شرف رکھتا ہے۔

فوائد الفواد کے مصنّف اِسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ مَیں نے اپنے شیخ سے عرض کیا کہ ایک مُرید اپنے پیر کی خدمت میں گاہے گاہے جاتا ہے اَور اپنے گھر ہی میں پیر کی محبّت اَور اُس کی یاد میں مشغول رہتا ہے اُس کا کیا حال ہے۔ فرمایا۔ وُہ مُرید جو اپنے پیر کی خدمت سے غائب اَور اس کی یاد میں مشغول ہے اُس مُرید سے بہت ہی بہتر ہے جو تمام دن تو پیر کی

خدمت میں رہے لیکن محبّتِ پیر سے بے خبر ہے۔ اِس سے معلوم ہُوا کہ مُرید کا اپنے پیر کے ساتھ محبّت و رسُوخ جتنا زیادہ ہوگا اُتنا ہی اُس کو زیادہ فائدہ حاصل ہوگا۔

فوائد الفواد میں ہی لکھّا ہے کہ مُرید کو چاہیئے کہ جب شیخ کی مجلس میں آئے جہاں خالی جگہ دیکھے بیٹھ جائے اَور جگہ کے اِنتظار میں اِدھر اُدھر نہ دیکھتا رہے۔ ایک دِن جنابِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسّلام بیٹھے ہُوئے تھے۔ اَور بھی بہت سے اصحاب حضور کی خدمت میں حلقہ باندھے حاضر تھے کہ اسی اثنا میں تین آدمی آئے۔ ایک کو مجلس میں تھوڑا سا گوشہ مل گیا وُہ وہاں بیٹھ گیا۔ دُوسرے کو مجلس میں جگہ نہ ملی وُہ ذرا پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا۔ تیسرے کا دل بیٹھنے کو نہ چاہا وُہ چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السّلام نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وُہ جو حلقہ میں جگہ پاکر بیٹھ گیا اس کو ہم نے اپنی پناہ میں لے لیا۔ اَور جس نے حلقہ میں جگہ نہ پائی اَور شرم کے مارے پیچھے ہو بیٹھا۔ ہم نے بھی اُس سے شرم کی کہ اس کو روزِ قیامت خوار نہ کریں گے۔ اَور جو مُنہ پھیر کر چلا گیا ہماری رحمت اُس سے دُور ہوگئی۔ پس ادب یہی ہے کہ مجلس میں جہاں جگہ مِلے بیٹھ جائے ورنہ پیچھے ہو کر بیٹھ جائے لیکن درمیان میں نہ بیٹھے کہ وُہ ملعُون ہوتا ہے۔

مُرید پر واجب ہے کہ جو ظاہری و باطنی نعمت اُس کو کسی جگہ سے حاصل ہو اُس کو بھی اپنے پیر ہی کی طفیل جانے اَور اپنے پیر ہی کا شکرانہ ادا کرے۔

رشحات میں خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک روز حضرت ایشاں نے ایک شخص کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر خواجہ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خِدمت میں تجھے نسبت حاصل ہوگئی ہو اَور پھر تو کسی اَور بزرگ کی خدمت میں جائے اَور اس سے بھی تجھے وُہی نِسبت حاصِل ہو تو کیا بہاؤ الدین کو چھوڑے یا نہ چھوڑے گا۔ پھر آپ ہی فرمانے لگے کہ جہاں کہیں سے تجھے نسبت حاصِل ہو تو اُس کو بھی حضرت خواجہ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ہی جانے۔

چنانچہ نقل ہے کہ خواجہ قطب الدّین رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مُرید شیخ شہاب الدّین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہُوا جب اُس کو بھُوک غالب ہوئی اپنے پیر کے گاؤں کی طرف مُنہ کر کے کہنے لگا۔ یا قطبُ الدّین حیدر شیئاً لِللہ۔ شیخ شہاب الدّین نے اُس کی آواز سُن کر ایک خادم کو فرمایا کہ اِس درویش کو کھانا کھلاؤ۔ اَور جو کچھ حال گذرے بیان کرو۔ خادم نے کھانا لاکر سامنے رکھا جب کھا چکا۔ اپنے پیر کے گاؤں کی طرف مُنہ کر کے کہنے لگا کہ یا قطب الدّین حیدر آپ نے اِس غلام کی خوب خبرگیری کی جب خادم شیخ کی خدمت میں گیا۔ پوچھا کیا حال گذرا۔ خادم نے عرض کیا کہ حضرت کیا بتاؤں۔ مَیں نے اِس درویش جیسا ناشکرا کسی کو نہیں دیکھا کہ کھانا تو اس نے آپ کے ہاں سے کھایا اَور شکرانہ اپنے پیر کا ادا کیا۔ فرمایا ایسا مت کہہ۔ وُہ تو فرشتہ تھا جو تمہاری تعلیم کے لِئے آیا تھا تاکہ تمہیں آدابِ مُریدی سکھائے۔

محبُوبِ سبحانی، قطبِ ربّانی، غوثِ صمدانی حضرت مجدّدِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات شریف میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ دولت و نعمت اگرچہ بظاہر کسی جگہ سے حاصل ہو اُسے اپنے پیر ہی کی طفیل جانے کہ وُہ ہر صُورت میں جامع ہے۔ جو تربیت ظہُور میں آتی ہے وُہ درحقیقت اُسی سے ہے۔ یہ مقام طالبوں کی منازل سے ہے۔ اِس پر واقف ہونا چاہیئے تاکہ دُشمنِ لعین موقعہ پاکر اس کو پراگندہ نہ کرے۔ اَور اس بات کو غور سے سنو۔ کہ ہر کہ یک جا است ہمہ جا است و ہر کہ ہمہ جا است ہیچ جانے یعنی اپنے پیر کا مقبول سب پیروں کے ہاں مقبول ہے اَور اس کا مردُود سب کے ہاں مردُود ہے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی مُرید اپنے شیخ کی ولایت کا مردُود ہو جاتے تو کوئی اَور شیخ اس کو کسی درجہ تک نہیں پہنچا سکتا۔ البتہ وُہ مریدِ صادق جو پیر کی صحبت میں تربیّت یافتہ ہو اَور کسی عذر کے باعث ترقی سے رُک جائے وُہ کسی اَور شیخ کی صحبت اختیار کرے تو معذُور ہے۔ اَور ممکن ہے کہ اس شیخ کے تصرّفات اس کو منزل تک پہنچا دیں۔ لیکن پھر بھی مُرید کو چاہیئے کہ جو فتح و قبض اُس کو اُس شیخ سے حاصل ہو اُس کو بھی اپنے پیر کی قبولیّت

کے آثار سے جانے۔

چُنانچہ نقل ہے کہ ایک دن سُلطان المشائخ حضرت نظام الدین اَولیاء رحمۃ اللہ علیہ پالکی پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ ایک کہار بیمار ہو گیا اَور کام کے لائق نہ رہا۔ ایک قلندر اُس وقت موجود تھا جھٹ پالکی کو کندھے پر اُٹھایا اَور منزل تک پہنچا دیا۔ شیخ نے وہاں پہنچ کر اُسے دیکھا تو پُوچھا یہ کون ہے۔ خادموں نے عرض کیا کہ یہ قلندر ہے اَور جو خدمت بجالایا تھا۔ وُہ بھی عرض کی۔ شیخ نے اس کی طرف نظرِ عنایت سے دیکھا۔ آپ کی توجّہ کی برکت سے تمام زنگارِ کدُورت قلندر کے باطن سے صاف ہو گئے۔ حتیّٰ کہ علویّات اَور سفلیّات اس پر منکشف ہو گئے وُہ قلندر اِس حال سے رقص کرنے لگا اَور کہنے لگا کہ میرے پیر کا فیض مجھے مل گیا۔ میرا پیر میرا دستگیر ہوُا میرے پیر کی عنایت نے مجھے عزّت بخشی۔ حاضرین نے یہ سُن کر کہا، اَے قلندر قلندری چھوڑ یہ دولت و نعمت تو تجھے سلطان المشائخ کی نظرِ عنایت سے حاصل ہوئی ہے۔ تیرا پیر یہاں کہاں ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ اَے یارو! اگر میرے پیر نے مجھے قبول نہ کیا ہوتا تو سُلطان المشائخ مجھ پر توجّہ نہ فرماتے۔ وُہ فیض جو اِس مخدوم نے مجھے بخشا ہے وُہ میرے پیر کی قبولیّت کے آثار سے ہے۔ اُس نے مجھے پہلے قبول کیا ہوُا تھا اَور بعد ازاں شیخ نے مجھے قبوُل فرمایا۔ شیخ کو یہ بات بہت پسند آئی اَور فرمایا یارو آدابِ مُریدی اِس قلندر سے سیکھو۔

پس مرتبۂ شیخوخت حاصل کرنے تک واجب ہے کہ جس قدر فائدہ مشائخ سے حاصل ہو اُسی قدر تعظیم بھی بجالاتا رہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ يَتْبَعُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ لَمَّا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَ اِنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَسَيَكُوْنُ الْخُلَفَاءُ فَيَكْثُرُوْنَ۔ قَالُوْا فَمَا تَاْمُرُنَا۔ قَالَ اِتَّبِعُوا الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ وَاَعْطُوْهُمْ حَقَّهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَنْ اِسْتِدْعَائِهِمْ۔ یعنی بنی اسرائیل میں یکے بعد دیگرے نبی ہوتے چلے آتے۔ جب ایک نبی وصال کر گیا دُوسرا اُس کا جانشین ہو گیا لیکن میرے بعد

کوئی نبی نہ ہوگا۔ البتہ خلفاء بہت ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہمیں کیا ارشاد ہے۔ فرمایا کہ اوّل کی متابعت کرو۔ پھر اس سے اوّل کی۔ اور اُن کے حق ادا کرو۔ کیونکہ حق تعالیٰ ان سے اس استدعا کی نسبت پُوچھنے والا ہے۔

سیر الاولیاء میں لکھّا ہے کہ اگر مُرید کے دِل میں گذرے کہ میرے پیر کے سوا کوئی اَور بھی جہان میں ایسا ہے جو خُدا تک پہنچا دیتا ہے تو جان لے کہ شیطان ملعُون اس کے اِعتقاد میں تصرّف کرتا ہے۔ اور وُہ ہر طرح چاہتا ہے کہ اُس کو کافرِ حقیقی بنا کر چھوڑے۔ کیونکہ اِس کام میں اِعتقاد ہی اصل ہے۔ جس طرح مومن کے لِئے خُدا کی توحید اور رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے ویسے ہی مُرید کے لِئے پیر کے حق میں اپنا اِعتقاد درست رکھنا لازم ہے۔ مومن گناہ سے کافر نہیں ہوتا اور مُرید لغزش سے مُرتد نہیں ہوتا۔

مُرید کو چاہیئے کہ اپنے پیر کی طرف پُشت نہ کرے۔ اور اگر آگے سے گزرنے کا اِتفاق ہو جائے تو پچھلے پاؤں چلے۔ اور جب نظر سے غائب ہو جائے پھر سیدھا ہو جائے۔ چنانچہ لِکھّا ہے کہ شیخ المشائخ اور حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے اکثر مُرید پس پا آگے چلا کرتے تھے۔ اور یہ دونوں بزرگ اپنے بعض مُریدوں کے حق میں فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے کبھی ان کی پُشت کو نہیں دیکھا۔

شیخ نظام الدّین اَولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ بُرہان الدّین کے حالات میں لِکھّا ہے کہ آپ کبھی آپ کی طرف پشت نہ کرتے تھے اور حدث یعنی بے وضوء ہونے کی حالت میں غیاث پُور سے جو سُلطان المشائخ کا مسکن و مدفن ہے بہت دُور نکل جایا کرتے تھے یعنی اِس موضع میں بے وضوء نہ رہتے تھے۔

نفائس الانفاس میں ہے کہ کوئی مُرید اپنے شیخ کی خدمت میں گیا۔ دروازہ سے شیخ کے بیٹھنے کی جگہ تک ستّر آداب بجالایا۔ جب اس نے پابوسی کی۔ شیخ نے فرمایا۔ اَے مُرید باادب و بے ادب۔ باادب تو اس لِئے کہ ستّر آداب بجالایا۔ اور بے اَدب اِس لئے تجھے میری مہابت مانع نہ ہوئی کہ ایک دو اَدب اِن ستّر آداب سے بھُول جاتے۔

شیخ نظام الدّین اَولیاء کی خدمت میں لوگوں نے عرض کیا کہ شیخ بُرہان الدین چار کلمہ جانتا ہے اَور بعد از نمازِ چاشت پڑھا کرتا ہے۔ دو کلموں سے دُنیا اَور دو کلموں سے عاقبت حاصل ہوتی ہے خواجہ نے فرمایا۔ بُرہان الدّین کیا تم جانتے ہو۔ عرض کیا۔ ہاں قبلہ۔ فرمایا وُہ کیا ہیں۔ ہر چند ارادہ کیا مگر خواجہ کی مہابت سے کچھ نہ بول سکا۔ خواجہ نے فرمایا معلوم ہوُا کہ تو جانتا ہے لیکن میرے ڈر سے تجھے یاد نہیں آتے۔ اِس سے معلوم ہوُا کہ پیر کا ڈر مرید کے لیئے بہت سے فائدوں کا مُوجب ہے۔

مطلوُب الطّالبین میں لکھّا ہے کہ مُرید کو چاہیئے کہ پیر کے حضور میں اپنی نِسبت کوئی گفتگو نہ کرے اَور پیر کی اِجازت کے بغیر اُن کے مقام میں نہ جائے۔ خصوصاً مشغولیٔ ذکر اَور قیلولہ کے وقت تاکہ ان کے حال کا مانع نہ ہو۔ اَور پیر کے چہرہ کو بے وضو، نہ دیکھے کہ ترکِ ادب ہے۔ اَور پیر کے سامنے اَور کسی کی حکایت بیان نہ کرے۔ اَور اِدھر اُدھر نہ جھانکے بلکہ سر جھکائے بیٹھا رہے اَور جو کچھ پیر فرمائے اُسے سچ جانے اَور ظاہر و باطن میں کوئی اعتراض نہ کرے اگرچہ وُہ امر بظاہر خلافِ شریعت معلوم ہو بلکہ اُس کو اپنے قصوُرِ فہم پر محمول کرے۔ کیونکہ اعتراض کرنا حقیقی مفارقت کا سبب ہے۔ جس طرح کہ حضرت مُوسیٰ خضر علیٰ نبیّنا علیہما الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ پیش آئے اَور اُن سے اَلْفِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ۔ اَب میرے اَور تیرے درمیان جُدائی ہے۔ کا خطاب سُن لیا اَور اُن کی خِدمت وصحبت سے جو نعمت حاصل کرنا چاہتے تھے نہ کر سکے۔

نقل ہے کہ خواجہ ابُوالقاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ کے کسی مُرید نے آپ کی خدمت میں خواب بیان کیا کہ آپ نے خواب میں کچھ فرمایا۔ میں نے کہا کیوں۔ پھر آپ نے مجھ سے مُنہ پھیر لیا۔ شیخ نے فرمایا کہ اگر تیرے باطن میں "کیوں" نہ ہوتا تو خواب میں کیوں کا لفظ تیری زبان پر کیوں گذرتا۔

مشہُور ہے کہ محمُود غزنوی اپنے غلام ایاز کو بہت دوست رکھتا تھا۔ دُوسرے غلاموں نے رشک کیا کہ ہم بھی ویسے ہی فرمانبردار ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم کو اتنا دوست نہیں رکھتا۔ بادشاہ کو بھی اِس حال کی خبر ہوگئی۔ اُس نے اُن کو آزمانا چاہا۔ ایک دن سب غلام حاضر تھے۔ ان میں

سے ایک کو حکم دیا کہ کنوئیں میں کُود اور درمیان میں کھڑا رہ۔ وُہ غلام جتنی دفعہ کُودا تہہ میں جا گرا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ درمیان چاہ میں تو کیوں نہ ٹھہرا رہا۔ اس نے عرض کیا کہ وسطِ چاہ میں ٹھہرنا محال ہے۔ اسی طرح سب کا اِمتحان لیا۔ سب نے یہی جواب دیا۔ پھر بادشاہ نے ایاز کو بدستور کُودنے اور وسطِ چاہ میں ٹھہرا رہنے کا حکم دیا۔ وُہ بھی اُسی طرح نیچے جا گرا لیکن بادشاہ بادشاہ نے اس کا سبب دریافت کیا تو عرض کیا کہ حضور میرا قصور ہے۔ اِسی طرح دو تین دفعہ ہوا۔ اور ہر بار یہی جواب دیا۔ تب بادشاہ نے دُوسرے غلاموں کو فرمایا کہ تم نے ایاز کا ادب دیکھ لیا کہ ہر بار اپنے قصور کا معترف ہوا اور مجھ پر کوئی حجّت نہ لایا۔ میں جانتا تھا کہ درمیانِ چاہ میں ٹھہرنا محال ہے۔ مگر میں تمہارے آدب و اطاعت کا اِمتحان کیا چاہتا تھا۔ اَب تمہیں معلوم ہوگیا ہوگا کہ میں ایاز کو کیوں دوست رکھتا ہُوں۔

نقل ہے کہ دو بھائی ایک پیر کے مُرید تھے۔ پیر کی شفقت چھوٹے پر زیادہ تھی۔ ایک دن بڑے بھائی نے اِس کی شکایت کی۔ شیخ نے اس کو آزمانا چاہا۔ موقعہ پاکر ایک دن بڑے بھائی کو فرمایا کہ خانقاہ میں اُونٹ ہے اُس کو اُٹھا کر چھت پر لے جاؤ۔ اُس نے جھٹ جواب دیا کہ اُونٹ چھت پر کیسے چڑھ سکتا ہے۔ پھر شیخ نے چھوٹے کو فرمایا۔ وُہ فوراً اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اور اپنے ہاتھ پاؤں اُونٹ سے مارنے لگا اور زور کرنے لگا۔ شیخ نے کہا کہ بس کر۔ میں اچھی طرح جانتا ہُوں کہ تم اُونٹ کو چھت پر نہیں لے جا سکتے۔ میں تو تم دونوں کے اَدب و متابعت کا اِمتحان کیا چاہتا تھا۔ پھر بڑے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تو نے میری بات کو رد کیا اور وُہ فوراً اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اَب تو خود بتلا کہ تجھ سے زیادہ محبّت و اُلفت اس کے ساتھ کیوں نہ کرُوں۔

بعض بزرگوں نے لکھّا ہے کہ مُرید کے آداب شیخ کے ساتھ دو طرح کے ہیں ظاہری اور باطنی۔ ظاہری ادب تو یہ ہے کہ خدمت کے آداب اَور حرُمت کی شرائط کو پورے طور پر ملحُوظ رکھے لیکن نہ اِتنا کہ افراط تک پہنچ جائے۔ جیسے کہ یہوُد و نصاریٰ نے حضرت عُزیر اَور حضرت عیسٰی علیٰ نبیّنا وعلیہما الصّلوٰۃ والسّلام کی عزّت و حرُمت میں افراط کیا اَور ابن اللّٰہ کا خطاب دے کر

تباہ وبرباد ہو گئے اور نہ اتنی تفریط کہ بالکل ان کے حقوق ضائع کر دے اور ان کی خدمت چھوڑ دے۔ کیونکہ ان کا ادب بجالانا خدا کے ادب بجالانے کا نشان ہے لیکن یاد رہے کہ عاشق کی گستاخی ترکِ ادب میں داخل نہیں ہے۔ اَلْعِشْقُ کُلُّہٗ اَدَبٌ۔

باطنی آداب سات ہیں۔ اوّل یہ کہ پیر کے ساتھ نیّت خالص اور پاک عقیدہ رکھے۔ اور دِل خیالاتِ فاسدہ سے خالی ہو۔ کیونکہ یہ لوگ طبیبِ الٰہی ہیں۔ دِل کے امراض کو مرید کے وجود میں اسباب وعلامات سے معلوم کر لیتے ہیں اور خطرات کو تاڑ جاتے ہیں۔ اِنَّهُمْ جَوَاسِيْسُ الْقُلُوْبِ فَجَالِسُوْهُمْ بِالصِّدْقِ۔ یہ لوگ دِلوں کے جاسُوس ہیں۔ ان کے پاس صدق سے بیٹھا کرو۔

دُوسرے یہ کہ پیر کے کلام کو برضا ورغبت اور گوشِ دل سے سُنے نہ کہ جسمانی کانوں سے، ورنہ اس کی بات سے اُس کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

تیسرے یہ کہ پیر کے اسرار پوشیدہ رکھے اور نامحرم کے سامنے بیان نہ کرے۔

چوتھے یہ کہ جو کچھ پیر فرمائے اُس کو تسلیم کرے اور اس پر صبر کرے۔ کیونکہ صبر میں فائدے ہیں اور جلدی میں فساد۔

پانچویں یہ کہ پیر کے اقوال وافعال پر اعتراض نہ کرے بلکہ اُن کو حق جانے کیونکہ شیخ کامل سے جس کا ارادہ حق تعالیٰ کے ارادہ میں فانی ہے کوئی ایسی بات صادر نہیں ہوتی جس میں خدا کا ارادہ اور کوئی مصلحت نہ ہو۔ جو کچھ وُہ مرید کے ساتھ کرتا ہے عین صواب ہے اگرچہ اوّل اوّل مُرید کو معلوم نہ ہوگا لیکن آہستہ آہستہ ان اسرار سے واقف ہو جائے گا۔

چھٹے یہ کہ پیر کے کردار وافعال میں عیب کی آنکھ اور زبانِ طعن کو بند رکھے۔ کیونکہ پیر کا فعل اگرچہ بظاہر بُرا معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں نیک ہوتا ہے اور جو کوئی پیروں کو عیب لگاتا ہے وُہ عیب اُسی پر لوٹ آتا ہے۔ اور نیز مرید مبتدی کو لازم ہے کہ منتہی کی تقلید کر کے ریاضت ومجاہدہ نہ چھوڑے کیونکہ یہ اُس کے واسطے فائدہ مند ہیں اور اِس کے

واسطے مُوجبِ نقصان۔

ساتویں یہ کہ پیر کا کسی امر میں اِمتحان نہ کرے۔ کیونکہ امتحان میں بھی ایک قسم کا تصرّف ہے۔ اَور ناقِص کو کامل میں تصرّف نہیں ہوتا۔

حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کا نائب ہے اَور اس کی متابعت اَور حفظِ مراتب خدا اَور اُس کے رسول کی عین متابعت ہے۔ اَور نائب کی تعظیم عین مُنیب کی تعظیم ہے۔ اَور سلُوکِ طریق اس کی متابعت کے سوا محال ہے۔ پس چاہیئے کہ تمام اطراف سے منہ پھیر کر اپنے پیر کی طرف متوجّہ ہو۔ اَور پیر کے حضور میں بے اِجازت نوافل و اذکار میں مشغول نہ ہو۔ اور اس کے سوا کسی اَور طرف متوجّہ نہ ہو اَور سوائے نمازِ فرض و سُنّت کے اس کے حضُور میں اَور کچھ نہ ادا کرے۔

حضرت مجدّد صاحب رسالہ مبداو معاد میں فرماتے ہیں کہ مُرید کا اعتقاد اپنے پیر کو افضل و اکمل جاننے میں اس محبّت کے ثمرات اَور اس نسبت کے نتائج میں سے ہے جو افادہ و استفادہ کا سبب ہے لیکن چاہیئے کہ پیر کو ان لوگوں پر فضیلت نہ دے جن کی فضیلت شرع میں مقرر ہے۔ کیونکہ یہ امر محبّت میں افراط کا مُوجب ہے اَور افراط مذمُوم ہے۔

شیعہ لوگ اہلِ بیت کی افراطِ محبّت میں پڑ کر خراب و تباہ ہو گئے اَور نصاریٰ حضرت عِیسیٰ علیہ السّلام کی افراطِ محبّت کے باعث خسارتِ ابدی کے مستحق ہو گئے۔ ہاں اگر ان کے سوا اَور پر فضیلت دے تو جائز ہے بلکہ طریقت میں واجب ہے۔ اَور یہ فضیلت دینا مُرید کے اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ اگر مُرید صاحبِ اِستعداد ہے تو بے اختیار اس میں یہ اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے اَور اس اعتقاد کے وسیلہ سے پیر کے کمالات حاصل کر لیتا ہے۔ اور اگر یہ فضیلت اپنے اختیار اَور تکلّف سے پیدا کرے تو جائز نہیں اَور نہ ہی اس سے کچھ نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔

حضرت مجدّد صاحب ایک اَور جگہ فرماتے ہیں کہ زیادہ فائدہ صوفیوں کے طریقہ بلکہ مذہبِ اسلام میں اس آدمی کے لئے ہے جس میں تقلید کی فطرت اَور متابعت کی جبلّت زیادہ

ہے حضرت ابُوبکر رضی اللہ عنہ میں چُونکہ متابعت کی فطرت زیادہ تھی بے توقّف تصدیقِ نبوّت کی سعادت سے فیض یاب ہو گئے اَور صدّیقوں کے رئیس بن گئے اَور ابوجہل میں چونکہ تقلید کی استعداد نہ تھی اِس سعادت کے واسطے مستعد نہ ہوّا۔ اَور ملعونوں کا پیشوا بن گیا۔ مُرید جو قدم پاتا ہے وُہ پیر ہی کی تقلید سے پاتا ہے۔ پیر کی خطا مُرید کے صواب سے بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدّیق تمام عُمر پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سہو کی آرزو کرتے رہے۔

مَیں نے ایک عزیز سے سُنا ہے وُہ کہا کرتا تھا کہ بعض دُعائیں جو مشائخ سے منقول ہیں اَور اِتفاقاً مشائخ سے ان میں خطا ہو گئی ہے اَور اُن کو اُلٹ پلٹ کر پڑھتے رہے ہیں اگر ان کے تابعدار ان دُعاؤں کو اسی طرح منحرف پڑھیں تو وُہی تاثیر بخشتی ہیں اَور اگر صحیح یا درست کر کے پڑھیں تو تاثیر سے خالی رہ جاتی ہیں۔

کتاب سنابل میں ہے کہ صادق مریدوں کے لِئے اپنے پیروں کے ذکر اذکار میں ایمان کی حلاوت ہے۔ اَور جو لذّت اُن کو خدا تعالیٰ اَور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے نام لینے میں حاصل ہوتی ہے وُہی لذّت اُن کو اپنے پیروں کے نام لینے میں حاصل ہوتی ہے ؎

بر مُریدِ صادق و صاحب تمیز ہست ذکرِ سیرتِ پیراں عزیز
ذکرِ پیراں تازہ ایمانش کُند قصّۂ آں جلوہ بر جانش کُند

ترجمہ

جو ہے خادم صادق و صاحب تمیز ذکرِ پیر اپنے کا ہے اس کو عزیز
ذکرِ پیراں دے بڑھا ایمان کو ان کا قصّہ جلوہ بخشے جان کو

مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا فَاَکْثَرَ ذِکْرَہٗ۔ جس کو کسی چیز کی محبّت ہو جائے وُہ ہر دم اُسی کا ذِکر کرتا ہے۔ اسی محبّت کا منشا ہے۔ بھلا معلوم نہیں کہ عاشق کو اپنے معشوق کے ذِکر میں کیا لذّت حاصل ہوتی ہے کہ اُس کے ذِکر سے سیر نہیں ہوتا۔

رشحات میں ہے کہ حضرتِ ایشاں فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی کی صحبت سے نسبت

حاصل کریں تو اس کی نگاہداشت کا طریق ایسی وجہ پر بنائیں جس سے کراہت نہ ہو۔
اسی لیئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ شیخ کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو مُرید کی نظر میں محبوب ظاہر کرے کیونکہ اس محبّت کا منشاء جو اس نسبت کے ظہور کا سبب ہوئی ہے یہی امر ہے پس جس وقت اس سے کراہت ہو گی جو محبّت کی ضِد ہے تو محبّت زائل ہو جائے گی۔ اور جب محبّت دُور ہو گئی تو نسبت بھی نہ رہے گی۔
اور نیز فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک پیر سے جو بادشاہی دروازہ کے باہر کلاہِ پوستین سیا کرتا تھا ایک دو محبّت کی باتیں سُنیں۔ جن سے اِس طائفہ کی بُو آتی تھی۔ مَیں اُس کی نسبتِ ادب کی ایسی رعایت کرتا تھا کہ کسی راہ میں میرا قدم اُس کے قدموں سے آگے نہیں جاتا تھا۔ صرف دو باتوں کی عزّت کی وجہ سے۔
اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں سُنوں یا جانوں کہ مُلکِ خطا میں کوئی کافر ان لوگوں کی باتیں کرتا ہے تو میں وہاں جا کر اس کی ملازمت کروں اور اس کا اِحسان سمجھوں۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ بہت سے لوگوں کو اِس طائفہ کی اِلتفات کے باعث ذوق حاصل ہوا تھا مگر تھوڑے سے ترکِ ادب سے وُہ ذوق جاتا رہا۔
اور فرمایا کرتے تھے کہ مُرید کو ردّی اِرادوں اور طبعی خواہشوں کی گرفتاری سے خلاصی نہیں ہو سکتی جب تک وُہ اپنے پیر کے باطن اور ہمّت سے مستمد نہ ہو۔ اور اس کو اپنی توجّہ کا قِبلہ نہ بنا لے۔ کیونکہ طالب نے اپنے آپ کو حق تعالیٰ کی توجّہ سے عاجز جان کر پیر کو اِس توجّہ اور وصُول اِلی اللہ کا وسیلہ بنایا ہے۔ اور یہ امر حصُولِ نتیجہ کے اقرب ہے جو طالب کا مقصود ہے۔ اِس سے جلدی کامیاب ہو جائے گا۔ کیونکہ وُہ ہمیشہ ہمّتِ پیر سے مدد لینے والا ہے۔
فقراتِ خواجہ عبید اللہ احرار میں ہے کہ مُرید وُہ ہے جو اِرادت کی آگ میں جلا ہوا ہو۔ اور اس کی کوئی مُراد باقی نہ رہی ہو۔ اور اس کی بینائی نے پیر کے آئینہ میں مُراد کا جمال دیکھ کر سب طرف سے مُنہ موڑا ہوا ہو۔ اور اس کا قبلہ پیر کا جمال ہو۔ اور پیر کی بندگی میں آزادی سے

فارغ ہو اور عجز و نیاز کا سر پیر کے آستانہ کے سوا کہیں نہ رکھتا ہو اور اپنی سعادت پیر کے قبول میں اور شقاوت اس کے ردّ میں جانتا ہو بلکہ اپنے وجود پر نیستی کی رقم کھینچی ہو اور وجودِ غیر کے شعور و تفرقہ سے خلاص ہوا ہو۔

مرصاد العباد میں لکھا ہے کہ مُرید میں بیس ۲۰ صفتیں ہونی چاہئیں تاکہ اس کو راستے کا سلوک حاصل ہو۔

اوّل توبہ یعنی تمام خلافِ شریعت سے خالص توبہ کرے۔ اس کے بعد ہر مقام پر جو اس کے پیش آئے توبہ کو عمل میں لاتا رہے۔ کیونکہ ہر مقام کے مناسب گناہ ہے۔ توبہ بھی اسی مقام کے مناسب ہے۔ اور یہ توبہ بڑی مضبوط جڑ ہے۔ اگر اس میں خلل ہو جائے تو سب باطل ہو جاتا ہے۔ اور تفصیل اس کی دراز ہے۔

دُوسری زہد۔ یعنی قلیل پر قانع ہو اور زائد مال کو فرائض کے بموجب تقسیم کر دے ورنہ شیخ کی خدمت میں حاضر کر دے تاکہ وُہ مُریدوں کی ضروریات میں صرف کرے۔

تیسری تجرید۔ یعنی تمام نسبی علاقوں سے قطع تعلّق کرے تاکہ دِل اُن کی طرف مشغول نہ ہو۔ اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ۔ تمہارے اہل و عیال تمہارے دُشمن ہیں ان سے بچو۔

چوتھی عقیدہ۔ یعنی اہلِ سنّت و جماعت کے مطابق عقائد کا پابند ہو۔ اور بدعتوں سے دُور ہو۔ اور مجمل و مفصّل طور پر ائمہ سلف کے مذہب پر چلے۔

پانچویں تقویٰ۔ یعنی پرہیزگار ہو۔ اور لقمہ و لباس میں احتیاط کرے اور جہاں تک ہو سکے عزیمت پر کام کرے اور رُخصت پر نہ جائے۔

چھٹے صبر۔ یعنی شیخ کے حکم پر صابر رہے اور جو سخت مقامات اس راہ میں آئیں اُن پر صبر کرے اور ملول نہ ہو۔

ساتویں مجاہدہ۔ یعنی نفس کے ساتھ نرمی نہ کرے اور اُس کی مُراد نہ دے کہ نفس

بھوکے شیر کی طرح ہے۔ اگر تو اس کو سیر کرے گا۔ تو قوت پاکر تجھے کھا جائے گا۔

آٹھویں شجاعت۔ یعنی دلیر و بہادر ہو۔ تاکہ محاربۂ نفس میں قیام کر سکے اور شیطان کے مکر و حیلہ سے نہ ڈرے کہ اِس راہ میں شیاطین الجن والانس بہت ہیں۔ بغیر شجاعت ان کا دفع کرنا ممکن نہیں۔

نویں بذل یعنی اس میں بذل و ایثار ہو کیونکہ بُخل بڑی بھاری قید اور بزرگ حجاب ہے۔ بعض مقام میں دُنیا و آخرت ترک کرنی پڑتی ہے اور بعض مقام میں جان نثار کرنی پڑتی ہے۔

دسویں فتوت یعنی جوان مرد ہو تاکہ ہر ایک کا حق اُس کے مرتبہ کے مُطابق ادا کرے اور اپنی طرف سے اِنصاف دے اور کسی سے اِنصاف نہ لے۔

گیارھویں صِدق یعنی اپنا معاملہ راستی پر رکھے۔ اور خُدا اور خلقِ خُدا کے ساتھ سچائی کا پیشہ اِختیار کرے اور جھوٹ و خیانت سے دُور رہے۔ اور کام پوشیدہ نہ کرے بلکہ جو کچھ کرے خُدا کے لِئے کرے اور خلقت سے قطع نظر کرے۔

بارھویں علم یعنی بقدر ضرورت علم حاصل کرے تاکہ فرائض سے عہدہ بر آ ہو سکے۔ زیادتی میں کوشش نہ کرے ایسا نہ ہو کہ راستہ سے رُک جائے۔ ہاں جب کمالِ مقصود تک پہنچ جائے تب زیادہ علوم اور کتاب و سُنّت کی تعلیم مُضر نہیں۔ اور ہر حال میں نفع نہ دینے والے علم سے پرہیز کرے۔

تیرھویں نیاز یعنی کسی مقام میں نیاز کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اگرچہ مقامِ ناز میں پہنچ جائے تب بھی تکلّف سے اپنے آپ کو حالتِ نیاز میں لائے۔ کیونکہ مقامِ نیاز عاشق کے لِئے اور مقامِ ناز معشوق کے لِئے مخصُوص ہے۔

چودھویں عیّاری یعنی خطرناک کاموں میں جو بحالتِ غیب و شہادت پیش آتے ہیں ان میں عیّار ہو اور اپنے آپ کو لا اُبالی پن سے ان میں ڈالے اور عاقبت اندیشی نہ کرے اور جان سے نہ ڈرے۔

پندرھویں مُلامت یعنی مُلامتی صفت اور قلندر مشرب ہو۔ ملامت یہ نہیں کہ مخالفِ شرِیعت ہو۔ حاشا وکلاّ۔ کہ اِس قسم کی ملامت شیطان کا کام اور گمراہی ہے۔ اور ایسی ملامت کو مباح جاننے والے دوزخ میں جائیں گے۔ بلکہ ملامتی کے یہ معنی ہیں کہ نیک و بد اور ردّ و قبول اس کے نزدیک یکساں ہوں۔ خلق کی دوستی و دُشمنی سے فربہ ولاغر نہ ہو۔ اور ان اضداد کو یک رنگ جانے اور خلقت کے ساتھ صلح اور اپنے نفس کے ساتھ جنگ میں رہے۔

سولھویں عقل یعنی اُس کی سب حرکات عقل پر مضبوط ہوں اور کوئی حرکت بے اجازت شیخ کی رضامندی کے بغیر اس سے صادر نہ ہو اور اپنے تمام رنج و درد شیخ کی رضامندی اور ولایت میں بھول جائے تاکہ جو کچھ اس راہ میں مشقّت و رنج سے حاصل ہوا ہے عقل کے تصرّف سے اس کو محفوظ رکھ سکے۔

سترھویں ادب۔ یعنی مؤدّب و مہذّب ہو اور ظرافت کا دروازہ اپنے اُوپر بند رکھے۔ اور شیخ کی مجلس میں وقار و سکون اور تعظیم سے بیٹھے اور بے پُوچھے کسی بات کا جواب نہ دے۔ اور جو کچھ کہے رفق و مدار کے ساتھ اور سچ کہے۔ اور ظاہر و باطن میں شیخ کے اشارات و ارشادات کا منتظر رہے۔ اگر کوئی قصور ہو جائے فوراً استغفار کرے اور نیک طریق سے عُذر خواہی کرتا رہے۔

اٹھارھویں حسنِ خُلق یعنی ہمیشہ یاروں کے ساتھ خُوش خُو رہے اور زجر و تنگی نہ کرے اور تکبّر و عُجب، تفاخر و دعویٰ اور طلبِ جاہ سے دُور رہے اور خدمت و تواضع سے زندگانی بسر کرے اور اپنا بوجھ یاروں پر نہ ڈالے اور حتی المقدور بے مِنّت ان کی خدمت کرے اور بندگانِ خُدا میں سے کسی کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اور اُن کی خدمت سے خُدا کی درگاہ میں تقرّب حاصل کرے۔ غرض اِس طرح زندگی بسر کرے کہ کوئی دِل اُس سے آزردہ نہ ہو۔ اور جب اپنا سر پیشوا کے قدموں پر رکھنا چاہے یا قدم بوسی کرنا چاہے تو مُنہ زمین پر رکھے لیکن پیشانی نہ رکھے کہ یہ سجدہ کی شکل ہے اور یہ حرام ہے۔

اُنیسویں تسلیم۔ یعنی ظاہر و باطن میں شیخ کی ولایت کے تصرّفات کو تسلیم کرے اور

اپنا تصرّف چھوڑ دے اَور شیخ کے امر و نہی میں مُردہ بدستِ غسّال کی طرح ہو اَور جو امر شیخ سے بظاہر مخالف نظر آئے اس کو اپنے قصورِ نظر کی طرف منسوب کرے نہ کہ شیخ کے نقصان کی طرف اَور شیخ کے کمال کا اِعتقاد نہ چھوڑے۔

بیسویں تفوِیض یعنی اِس راہ میں بالکل اپنے وجُود سے قطع نظر کرے اَور اپنے آپ کو راہِ خُدا میں فِدا و قربان کرے۔ اور از رُوئے صِدق کہے۔ وَاُفَوِّضُ اَمرِیْ اِلَی اللّٰہِ۔ اَور مَیں اپنا سب معاملہ اللہ کی طرف سونپتا ہُوں۔ اَور سب اُمُور کی تفویض محض عبُودیّت کے لِئے ہے نہ کہ بہشت کی طمع اَور دوزخ کے خوف اَور کمال کے لِئے۔ اَور جو کچھ خدا کی طرف سے اُس پر آئے اُس سے راضی رہے۔ اگرچہ ہزار دفعہ بھی اس کو خطاب ہو کہ تو مطلب نہیں پائے گا تب بھی اپنے کام کو نہ چھوڑے اَور صدقِ طلب سے ہمّت نہ ہارے۔ اَور کسی خوشی و ناخوشی کی حالت میں خُدا کی طرف سے مُنہ نہ پھیرے اَور شیخ کی مُلامت سے رُوگرداں نہ ہو اگرچہ شیخ اس کو ہزار دفعہ دُھتکارے اَور اپنے پاس سے دُور کرے لیکن بالکل نہ ہٹے۔ اَور ارادت میں مکھّی سے کم نہ ہو کہ ہر چند اس کو اڑاتے ہیں پھر بھی آجاتی ہے۔

مجمع السّلوک میں ہے کہ بعض صوفیاء نے فرمایا ہے کہ تصوّف کے ظاہر میں پانچ رُکن ہیں۔ پہلا۔ پیرو یارانِ دین اَور کمزوروں کی خدمت بجالانا۔ دُوسرا کسی پیر سے خِرقہ حاصل کرنا۔ تیسرا اطاعت و عبادت میں خلوت اِختیار کرنا اَور ذکر و فکر و مراقبہ میں مشغول ہونا۔ چوتھا پیر کے ساتھ صحبت رکھنا جیسا کہ صحبت کا حق ہے۔ بغیر تصرّف و انکار اَور حرکت و اِختیار کے۔ کَالْمَیِّتِ بَیْنَ یَدِیِ الْغَسَّالِ۔ پانچواں سخاوت میں جوانمردی کرنا اَور بذل و اِیثار سے پیش آنا۔

اَور باطن میں بھی تصوّف کے پانچ رُکن ہیں:۔
پہلا احکامِ شریعت و طریقت کا جاننا۔ دُوسرا اُن پر صدق و اخلاص سے عمل کرنا۔ تیسرا اپنے باطن میں حال پیدا کرنا۔ چوتھا مقامِ دِل میں پہنچنا۔ پانچواں حق تعالیٰ کی معرفت۔

جب تک مُرید سالک میں یہ ظاہری و باطنی ارکان جمع نہ ہوں اُسے صوفی نہیں کہتے۔ اِذْ رُکْنُ الشَّیْئِ مَا یَقُوْمُ بِہِ الشَّیْئُ وَبِفَوْتِہٖ یَفُوْتُ ذَالِکَ الشَّیْئُ۔ کسی چیز کا رُکن وُہ ہوتا ہے جس سے وُہ چیز قائم ہو۔ اور اس کے فوت ہونے سے وُہ چیز بھی فوت ہو جاتی ہے۔

فوائد الفواد میں ہے کہ خواجہ حسن علا فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے خواجہ نظام الدّین اولیاء کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے اُس شخص پر تعجب ہے جس نے کسی شیخ سے پیوند کیا ہو اور پھر وُہ کسی اور طرف جانے کا اِرادہ کرے خواہ حج کے لِئے ہی کیوں نہ ہو۔ میرا ایک دوست ملیح نامی بھی موجُود تھا۔ میں نے کہا کہ اس یار سے مَیں نے ایک عجیب بات سُنی ہے جو میرے دل میں اثر کر گئی ہے۔ یہ کہتا ہے کہ حج کو وُہ جائے جس کا پیر نہ ہو۔ اِس بات سے خواجہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور یہ مصرعہ پڑھا۔ ع

اِیں راہ بسُوئے کعبہ بُرد و آں بسُوئے دوست

یعنی یہ رستہ کعبہ کی طرف لے جاتا ہے اور یہ دوست کی طرف۔

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ کے وصال کے بعد مجھے حج کا کمال شوق ہُوا۔ ارادہ کیا کہ ایک دفعہ اجودھن جا کر شیخ کی زیارت کر آؤں۔ جب میں زیارت کے لِئے گیا میرا وُہ مقصُود حاصل ہو گیا۔ بلکہ اور بھی بہت سے فوائد حاصل ہُوئے۔ دوبارہ بھی ایک دفعہ یہی حرص دامن گیر ہوئی۔ میں پھر شیخ کی زیارت کے لِئے گیا۔ پھر وُہی غرض حاصل ہو گئی۔

خواجہ ابُوالحسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مُرید کو دُوسرے کے حکم میں رہنا اپنے حکم میں رہنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ کیونکہ غیر کے ساتھ صحبت خدا کے لِئے ہوتی ہے اور اپنے ساتھ حرص و ہوا کے لِئے۔ پس مُرید کو اپنے اِختیار سے کوئی کام خواہ عبادت و ریاضت ہو نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ جو کچھ کرے پیر کے فرمان کے مطابق کرے۔ کیونکہ جو کچھ وُہ اپنی خواہش سے کرتا ہے نفس کا اس میں دخل ہے اور اس کرنا بھی اس پر آسان ہے۔ اور جو کچھ شیخ کے کہنے سے کرتا ہے اس میں نفس ذلیل ہوتا ہے اور اس کو مشکل جانتا ہے۔ پس جو کچھ پیر کی اِجازت سے

کیا جائے وُہی عبادت وطاعت ہے ورنہ ضلالت وخسارت ہے۔

نقل ہے کہ ایک آدمی ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آکر مُرید بن گیا اَور عبادت میں اِس قدر زیادتی کی کہ آپ کو شرمندگی محسوس ہوئی۔ دل میں اندیشہ کیا کہ اِس عبادت کا کیا باعث ہے۔ آخر اس کی حقیقت اُن پر منکشف ہوگئی۔ اس سے فرمایا کہ اپنا کھانا چھوڑ دے اَور ہمارے ہاں کھانا کھایا کرو۔ جب اس نے ایسا کیا تو عبادت وحلاوت میں قصور ہوگیا۔ اور دِن بدن زیادہ ہونے لگا۔ حتیٰ کہ نماز کا ادا کرنا بھی اس کے لِئے مشکل ہوگیا۔ پس اس کی پہلی عبادت لقمہ حرام کا ثمرہ تھی۔ اس کے بعد لقمہ حلال سے جو پیر کے ساتھ کھاتا تھا کارِ دین میں صاحب اِستقامت ہوگیا اَور مَردوں کا درجہ حاصل کِیا۔

فوائد السالکین میں ہے کہ ایک دن حضرت قطب الدّین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں گفتگو شروع ہوئی کہ اگر مُرید نماز نفل میں ہو اَور پیر اس کو آواز دے تو اسے کیا کرنا چاہیئے۔ خواجہ علیہ الرّحمۃ نے فرمایا کہ بہتر یہی ہے کہ نماز نفل کو چھوڑ کر پہلے شیخ کا فرمان بجا لائے کہ اس میں بہت ثواب ہے اَور نفل سے زیادہ افضل ہے۔

مُرید کو چاہیئے کہ ہمیشہ اپنے پیر کے دروازہ کا ملازم رہے اَور اپنے تمام اُمور کے کشائش کی اُمید اسی دروازہ سے رکھے۔ چنانچہ نقل ہے کہ کسی نے حضرت جُنید رحمۃ اللہ علیہ سے پُوچھا کہ آپ اِس درجہ پر کس عمل سے پہنچ گئے۔ فرمایا کہ چالیس سال تک میں سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی دہلیز پر ایک پاؤں کے بل کھڑا رہا۔ اَور اپنے کام کی کشائش اِسی دروازہ سے طلب کرتا رہا۔ آخر جو کچھ میں چاہتا تھا وُہ مجھے مل گیا۔

محبوبُ السالکین میں ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ خُدا پناہ دے اس بات سے کہ کوئی فقیر کِسی کے حق میں کہہ دے کہ تُو جان یا جس طرح تیری مرضی۔ کیونکہ اس کلمہ میں شیخ کی نارضامندی اَور عدُول حکمی ہے اَور عدُول حکمی میں سراسر خرابی ہے۔

نقل ہے کہ ایک مُرید نے شیخ نظام الدّین اَولیاء کی خدمت میں اپنا حال عرض کِیا۔

شیخ نے فرمایا۔ تو جان جس طرح تیری مرضی۔ تب سے معلوم نہیں کہ وہ مرد کہاں گیا اور اُس کا کیا حال ہوا۔ اگر شیخ کے حکم کے مطابق چلتا تو اُس کو بڑی نعمتیں حاصل ہوتیں۔

نقل ہے کہ کسی مرید نے اپنے پیر کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت میں کہاں مشغول ہو رہوں۔ فرمایا، جاؤ کسی جگہ مشغول ہو جاؤ۔ مرید نے عرض کیا آپ ہی کوئی جگہ مقرر فرما دیجئے۔ فرمایا جاؤ کسی بُت خانہ میں جا رہو۔ مرید نے سوچا کہ جب پیر کا نفس اسی طرف گیا ہے تو مجھے بُت خانہ میں مشغول ہونے سے کیا حرج ہے۔ اس گاؤں کے نزدیک ایک بُت خانہ تھا۔ وہاں چلا گیا۔ بُت خانہ میں پاؤں رکھتے ہی تمام بُت زمین پر گر پڑے۔ گاؤں والوں نے جب یہ حال دیکھا تمام مسلمان ہو گئے۔ مدّت کے بعد جب وہ اپنے پیر کی ملاقات کے لئے گیا۔ تمام لوگ اس کے ہمراہ ہو چلے۔ پیر کو بھی اِس حال کی خبر ہو گئی کہ فلاں مرید بہت سی جمعیّت کے ساتھ آ رہا ہے۔ اس کا استقبال کیا۔ مرید پیر کے قدموں پر گر پڑا۔ پیر نے کہا کیا ہی اچھا قدم ہے جس کی برکت سے اِتنے لوگ مسلمان ہو گئے۔ مرید نے کہا۔ کیا ہی اچھا نفس ہے جس کے ذریعہ سے بُت خانہ میں مجھ سے ایسا اثر ظاہر ہوا معلوم ہوا کہ پیر کا فرمان حکمت و تاثیر رکھتا ہے۔

محمد بن فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مرید محبّت سے دُنیا کی طرف دیکھے تو تُو اُس کی طرف مت دیکھ کہ وہ طریقت کا مُرتد ہے۔

خواجہ ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کسی پیر کی خدمت میں نہیں گیا مگر اپنے حال سے خالی ہو کر۔ اور اس کے کلام و دیدار سے برکات کا منتظر رہا۔ اور جو شخص خطرات کے لئے پیر کی خدمت میں جاتا ہے۔ وہ پیر کے دیدار اور کلام کی برکات سے محروم رہتا ہے۔

ابُوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید صادق کو پیر کی خاموشی سے اُس کی گفتگو کی نسبت زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

معدن المعانی میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ مرید کی نسبت گفتگو شروع ہوئی کہ مرید کس کو کہتے ہیں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مرید اُس کو کہتے ہیں جو قولاً فعلاً قلباً قالباً پیر کی متابعت

کرے اور ان کلمات میں سے ہر ایک کے معنی بھی بیان فرمائیے۔
قولاً۔ یعنی دین کے فروع واصول میں اُس کی وُہی بات ہو جو پیر کی بات ہو۔
فعلاً۔ یعنی تمام دینی دُنیوی کام اس کے اشارہ کے موافق ہو اگرچہ طاعت ہی ہو۔
قلباً۔ یعنی اپنے دِل کو اپنے پیر کے دل کی مانند تمام صفاتِ ذمیمہ سے پاک و صاف کرے۔
قالباً۔ یعنی ظاہری باطنی اعضاء و حواس کو پیر کے اعضاء و حواس کی طرح معصیّت کی آلُودگی سے پاک وصاف کرے۔
جب اِس طرح کی متابعت کرے اُس کو مُرید کہتے ہیں۔ اور اکثر ایسے بھی مُرید ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی آنکھیں پیر ہی کے دیدار و مشاہدہ میں لگا رکھیں۔ اور پیر کی تمام حرکات وسکنات کے تابع ہو گئے۔ اور ان کو علیحدہ تحصیلِ علم کی حاجت نہ ہوئی۔ کیونکہ پیر کی ایک ساعت کی متابعت و مجلس سے وُہ کچھ حاصل ہوتا ہے جو ہزار ہا چلّہ کھینچنے سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔
بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ مُریدِ صادق اور طالب واثق کے لیئے پیر کی یک روزہ صحبت و خدمت چالیس چلّوں سے بہتر ہے۔
شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک بزرگ سے سُنا ہے کہ ایک دن اپنے پیر کی صدقِ دِل سے خدمت کرنا ہزار سال کی عبادت سے افضل ہے۔
فائدہ۔ اُوپر یہ جو مذکور ہوا ہے کہ دین کے فروع و اصُول میں مُرید کی وُہی بات ہو جو پیر کی ہو۔ وُہ اِس صُورت میں ہے کہ پیر و مُرید کا مذہب ایک ہو مثلاً ہر دو حنفی ہوں یا شافعی لیکن مذہب مختلف ہونے کی صُورت میں یقیناً دونوں کی باتیں اپنے اپنے مذہب کے موافق ہوں گی۔ اور یہ فروعی اِختلاف درست ہے۔ چنانچہ شیخ شہاب الدّین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ شافعی اور شیخ بہاؤالدّین زکریا رحمۃ اللہ علیہ حنفی تھے۔ اِس قسم کی مثالیں صوفیائے کرام میں بہت پائی جاتی ہیں۔
نقل ہے کہ ابتدائی ایّام میں حضرت نظام الدّین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کسی حوض پر نمازِ

اشراق ادا کر رہے تھے چند درویشوں نے آپ کو دیکھ کر ایک دُوسرے سے کہا کہ یہ شخص بہاؤ الدّین رحمۃ اللہ علیہ کا مُرید معلوم ہوتا ہے کہ اس نے خاندانِ بہاؤ الدین کی طرز پر دستار باندھی ہوئی ہے۔ شیخ جب نماز سے فارغ ہوئے فوراً دستار اُتار دی اَور کہا کہ مجھ کو دستار بھی اُسی طرح باندھنی چاہیئے کہ کسی اَور خاندان کی طرف منسُوب نہ ہو۔ اِس سے معلوم ہوا کہ مُرید کو اپنی ظاہری صورت ولباس بھی اپنے شیخ کے خاندان کی مانند رکھنا چاہیئے۔

مُرید کو چاہیئے کہ شیخ کی خدمت میں جان ومال وعزّت تک اِیثار کرنے میں دریغ نہ کرے۔ بلکہ ان کے اِیثار کرنے میں سعادتِ دارین سمجھے۔ چنانچہ کراماتِ اولیاء میں لکھّا ہے کہ خواجہ نظام رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ ایک دفعہ فرزندِ حقیقی سیّد اشرف جہانگیر اِتنے بیمار ہو گئے کہ تمام طبیب علاج سے عاجز ہو گئے۔ ایک یونانی طبیب آیا اَور کہنے لگا کہ مالش کے واسطے روغن تیار کرنا چاہتا ہوں لیکن اس میں تھوڑا سا آدمی کا گوشت درکار ہے۔ اِن دِنوں حضرت شاہ صاحب رُوم میں تشریف فرما تھے۔ یار حیران تھے کہ آدمی کا گوشت کہاں سے مِلے گا۔ قاضی محمد رُومی جو شاہ صاحب کے مخلِص یاروں میں سے تھے۔ اِس بات کو سُن کر جنگل کی طرف نِکل گئے اَور اپنے دائیں ہاتھ سے گوشت کا ٹکڑا بائیں ہاتھ میں لے لیا اَور پوشیدہ اس طبیب کے حوالہ کر دیا۔ طبیب نے روغن تیار کیا۔ اس کے اِستعمال سے بیماری نے تخفیف پائی۔ جب حضرت شاہ صاحب اپنے مکان پر تشریف لائے۔ یہ حال سُن کر قاضی زادہ کو اپنے پاس بُلایا اَور معارف کی باتیں کرنے لگے۔ اَور اُس کے ہاتھ پر دم بھی کرنے لگے۔ فوراً اس کے ہاتھ پر گوشت پیدا ہونے لگا اَور تھوڑی مدّت میں جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا۔

مطلوب الطالبین میں جوامع الکلم سے منقول ہے کہ حضرت نظام الدّین اولیاء ابتداء میں غیاث پُور میں بُود وباش رکھتے تھے۔ اَور وہاں آپ کا کوئی مکان نہ تھا، صرف چھپّر ڈال کر معہ اپنے متعلّقین کے رہا کرتے تھے۔ اگر کوئی خانقاہ کی تعمیر کے لِئے عرض کرتا تو قبول نہ فرماتے۔ ایک دن ضیاء الدّین وکیلِ عماد الملک نے جو مُریدِ خاص تھا خلوت میں عرض کیا کہ یہ بندہ

چاہتا ہے اِس جگہ ایک خانقاہ بنا دے تاکہ حضُور کے مُخلصوں کو آرام ہو۔ پھر بھی آپ نے قبول نہ کیا۔ وُہ خواجہ اقبال اور سیّد محمدؐ کرمانی کے بڑے بیٹے سیّد حسن کو جو حضرت کے محبُوب وعزیز تھے، درمیان میں وسیلہ لایا اور بہت اِلحاح وزاری کی۔ آپ نے فرمایا۔ اے ضیاء الدّین اِس میں ایک بھید ہے کہ جو اِس زمین پر عمارت بنائے گا وُہ جہاں میں نہ رہے گا۔ اُس نے زمین بوس ہو کر عرض کیا کہ مجھے جہاں میں نہ رہنا منظُور ہے پر خانقاہ ضرور بنانا چاہتا ہُوں تاکہ حضُور کے خدّام کو آرام ہو۔ آپ نے فرمایا۔ خیر جو کچھ تو نے خود اپنے اُوپر اختیار کیا وُہ تو جانے لیکن چاہیئے کہ ایک ماہ میں تیّار کرلے۔ اُس نے ایسا ہی کیا کہ ایک مہینہ میں عمارت تمام کردی۔ خانقاہ تعمیر کرنے کے بعد چار سو دِینار صرف کر کے سماع کے اسباب مہیّا کیئے۔ جب سُلطان المشائخ سب یاروں کے ساتھ تشریف لائے تو سماع شروع ہوا۔ ضیاء الدّین کو ایسا تپ ہوا کہ مجلس میں بھی نہ پہنچ سکا اور اُسی دن فوت ہوگیا۔ خالص مُریدوں کو دُنیادار مُرید کے اِس عقیدہ کو خیال میں رکھنا چاہیئے کہ اُس نے اپنا مال وجان سب کچھ پیر کی نذر کر دیا۔

نقل ہے کہ نواب عزّت اللہ خاں جو حضرت شاہ یُوسف قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے تھا۔ قلندر صاحب نے ایک دن اُس سے دو لونڈیوں کی فہمائش کی کہ گھر میں خدمت کے لِئے اُن کی ضرورت ہے۔ اُس نے اپنی دو ناکتخدا لڑکیاں معہ بہت سے سامان کے جہاں آباد سے آپ کی خدمت میں بھیج دیں۔ اور عرض کر بھیجا کہ یہ دو کنیزیں آپ کے وضوء کی خدمت کے لِئے بھیجی ہیں۔ آپ اس کی اس حرکت سے بہت خوش ہُوئے۔ اُن کے واپس بھیجنے میں مصلحت نہ دیکھی۔ اپنے دونوں لڑکوں سے نکاح کر دیا جب یہ خبر عالمگیر کو پہنچی تو اس نے نواب کو کہلا بھیجا کہ میں نے سُنا ہے تو نے فقیر کے ساتھ برادری کی ہے تجھے درویشوں کے ساتھ کیا نسبت نواب نے عرض کیا کہ واقعی مجھے درویشوں کے ساتھ برادری کی نسبت تو کچھ نہیں۔ میں نے دو کنیزیں آپ کے وضوء کی خدمت کے لِئے بھیجی تھیں۔ میرا رشتہ کا اِرادہ نہ تھا۔ بادشاہ لاجواب ہوگیا پس اِس عقیدہ کو دیکھنا چاہیئے کہ اس نے اپنی ظاہری عزّت کی بھی پرواہ نہ کی اور اس خدمت کو

سعادت سمجھا۔ نوّاب مذکور کی محبّت و ارادت کا حال مناقب الاصفیاء میں لکھا ہے۔ جو چاہے وہاں سے دیکھ لے۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس طائفہ کے لیئے قبلۂ نسبت پیروں کا دیدار اور اُن کی صحبت ہے۔ اور پیروں کا دیدار تو اس قوم کے فرائض میں سے ہے۔ کیونکہ پیروں کے دیدار سے وُہ کچھ حاصل ہوتا ہے جو کسی اور شغل سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور نیز فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی یہ کیا چیز ہے جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا فرمائی ہے کہ جس نے ان کی طلب کی اس نے تجھے پالیا۔ اور جب تک تجھے نہ دیکھا ان کو نہ پہچانا۔

علی بن بندار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ دمشق میں گیا۔ تین روز کے بعد حضرت عبداللہ جلاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُنھوں نے پوچھا کہ تو کب آیا۔ مَیں نے عرض کیا کہ مجھے آئے ہُوئے تین روز ہُوئے ہیں۔ فرمایا تو اتنی مدّت کہاں رہا کہ میرے پاس نہ آیا۔ میں نے عرض کیا کہ حدیث لکھنے کی فکر میں تھا۔ آپ نے فرمایا۔ شَغَلَكَ الْفَضْلُ عَنِ الْفَرْضِ۔ ایک امر مستحب کام نے تجھے فرض سے روک رکھا۔

مُرید مبتدی کو چاہیئے کہ پیر کے حضور میں مؤدّب اور غیبت میں مراقب رہے۔ لیکن مُرید منتہی کے لیئے غیبت و حضور یکساں ہے۔ چنانچہ نقل ہے کہ مولانا شمس الدین یحیٰی رحمۃ اللہ علیہ جب گھر سے نکل کر شیخ کی خدمت میں روانہ ہوتے تو تمام راستہ میں دست بستہ جایا کرتے اور فرمایا کرتے کہ شیخ دیکھتے ہیں اس لیئے باادب جارہا ہُوں۔

مُرید کو چاہیئے کہ پیر کے چہرہ کو قبلہ اور اُس کے گھر کو کعبہ سمجھے۔ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں کہ قبلے چار ہیں۔

اوّل قبلہ اعضاء و جوارح کا ہے جس کی طرف تمام مسلمانوں کو نماز ادا کرنا فرض ہوا ہے۔

دُوسرا قبلہ دِل ہے کہ صاحبانِ طریقت کی توجّہ اِس طرف ہے اور وُہ اس میں مشغول رہتے ہیں۔

تیسرا قبلہ پیر ہے کہ مُریدوں کی توجہ شیخ کی طرف ہوتی ہے۔
چوتھا قبلہ وجہُ اللہ ہے اور وُہ تمام قبلوں کو محو کرنے والا ہے ؎
چُوں قبلہ بجز جمالِ معشوق نبوُد　　عشق آمد و محو کرد ہر قبلہ کہ بُود
یعنی جمالِ معشوق کے سوا اور کوئی قبلہ نہ تھا۔ عشق نے آتے ہی جمال کے سوا اور سب قبلوں کو محو کر دیا۔
نقل ہے کہ ایک دن سُلطان المشائخ حضرت نظامُ الدّین اَولیا۔ سر پہ کُلاہ کج کئے حوض پر بیٹھے سیر کر رہے تھے۔ اُسی دن ہندوؤں کا کوئی تہوار تھا۔ نزدیک ہی کسی تالاب پہ ہندو پُوجا پاٹ میں مشغول تھے۔ شیخ نے اُن کو دیکھ کر فرمایا۔ ع
ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے
یعنی ہر قوم کا کوئی نہ کوئی طریق دِین اور قبلہ ہوتا ہے۔
امیر خسرؒو آپ کے خاص مُرید آپ کی خدمت میں حاضر تھے یہ سُنتے ہی بول اُٹھے۔
ع　من قبلہ راست کردم بر سمتِ کج کلاہے
یعنی میں نے اس کج کلاہ کی طرف اپنا قبلہ درست کر لیا۔
نقل ہے کہ ایک دفعہ شیخ اجل تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے کسی مُرید کو معرضِ قتل میں لائے۔ جلّاد نے اُس کو اِس طرح کھڑا کیا کہ اُس کا مُنہ تو قبلہ کی طرف ہو گیا لیکن اِس صُورت میں اس کی پیٹھ اُس کے پیر کے مزار کی طرف ہوتی تھی۔ وُہ فوراً پھر گیا اور اپنا مُنہ پیر کے مزار کی طرف کر لیا۔ جلّاد نے کہا تجھے اِس وقت قبلہ کی طرف اپنا مُنہ رکھنا چاہیئے تھا۔ مُرید نے کہا تجھے اس سے کیا تو اپنا کام کر۔ مَیں نے اپنے قبلہ کی طرف مُنہ کر لیا ہوا ہے۔ وُہ اِسی جھگڑے میں تھا کہ حکم آ گیا کہ ہم نے اِس درویش کو آزاد کر دیا۔
فوائد السّالکین میں لکھا ہے کہ حضرت قُطب الدّین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں جب یہ حکایت کسی نے بیان کی تو آپ رو پڑے اور فرمایا کہ اچھے عقیدے نے اس درویش کو قتل سے بچا دیا۔

سنابل میں مذکور ہے کہ مُرید دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک رسمی دُوسرے حقیقی رسمی مُرید وُہ ہے جو کلاہ و شجرہ ایسے آدمی سے اخذ کرے جو پیری کے لائق ہو۔ اور اس اعتقاد میں اس کا دِل صادق ہو۔ اور جو کچھ وُہ فرمائے بجالائے۔ اور جس سے منع فرمائے ہٹ جائے۔ مُرید حقیقی وُہ ہے جس کا ظاہر و باطن اور تمام حرکات و سکنات پیر کے ظاہر و باطن اور حرکات و سکنات کے تابع ہوں اور اُس کا کوئی قدم پیر کی راہ و روش کے مخالف نہ ہو۔

مُرید کو لازم ہے کہ شیخ کی حرکات و سکنات و افعال کو اپنی حرکات و افعال کی طرح نہ سمجھے کہ یہ خطا ہے اور اس کے نقل کرنے میں مُرید کا نقصان ہے۔

تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ میں رونق افروز تھے۔ کچھ مُرید بھی آپ کی خدمت میں موجُود تھے۔ آپ نے اپنا پاؤں دراز کیا۔ آپ کو دیکھ کر ایک مُرید نے بھی اُسی طرح اپنا پاؤں لمبا کیا۔ شیخ نے تو اپنا پاؤں سیدھا کر لیا۔ لیکن جب مُرید نے سیدھا کرنا چاہا تو نہ کر سکا اور مرتے دم تک اُس کا ایسا ہی حال رہا۔

نقل ہے کہ ایک روز حضرت صاحبِ موصوف کسی طرف جا رہے تھے۔ ایک جوان بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ جہاں شیخ کا قدم پڑتا وُہ بھی اُسی جگہ اپنا قدم رکھتا۔ شیخ نے یہ حال دیکھ کر فرمایا کہ مشائخ کے قدموں پر اِس طرح قدم نہیں رکھتے۔ شیخ نے پوستین پہن رکھی تھی۔ اس جوان نے عرض کیا کہ اِس پوستین کا ٹکڑا مجھے عنایت کیجئے تا کہ آپ کے برکات مجھے حاصل ہوں۔ شیخ نے فرمایا اگر تو بایزید کی کھال بھی پہن لے تو تجھے کچھ فائدہ نہ ہو گا جب تک کہ وُہ عمل نہ کرے گا جو بایزید کرتا ہے۔ کیونکہ بغیر عمل کے کوئی درجہ نہیں مِل سکتا۔

نقل ہے کہ ایک روز شیخ موصُوف کی مجلس میں بہت سے مُرید حاضر تھے۔ اور ایک دانش مند بھی وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ شیخ نے اپنا پاؤں دراز کیا۔ وُہ دانش مند اس حرکت سے برہم ہو کر جانے لگا اور نخوت و تکبر سے اپنا پاؤں شیخ کے پاؤں پر رکھ دیا اور کچھ التفات نہ کیا۔ یاروں نے اِس حرکت کو ناپسند جانا۔ اور کہنے لگے ہوش سے چل کہاں سے گذرتا ہے۔ وُہ

دانشمند بولا چپ رہو۔ اور شیخ کے حق میں بھی سخت سُست الفاظ کہے۔ شیخ نے فرمایا کہ چھوڑ دو۔ وُہ اپنی سزا پالے گا۔ اس دانش مند کے پاؤں میں بیماری ہو گئی جو تمام عمر دُور نہ ہوئی۔ بلکہ اُس بیماری نے اس کے بیٹوں اور پوتوں تک سرایت کی۔ لوگوں نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے قصور تو ایک کا تھا دُوسروں میں اس کے سرایت کر جانے کا کیا باعث ہے۔ اُنھوں نے فرمایا۔ جب آدمی سخت کمان ہو اور اس کا نشانہ درُست لگتا ہو تو اس کا تیر ڈھال، جوشن اور دُشمن کے سینہ سے گزر کر زمین میں جا لگتا ہے۔ شیخ کا حال بھی ایسا ہی ہوا ہے کہ اس بے ادبی کی سزا اس دانش مند سے گزر کر اس کے بیٹوں اور پوتوں تک پہنچ گئی۔

اِس میں تنبیہ ہے کہ کوئی شخص ان لوگوں میں سے جو درگاہِ حق کے آشنا ہیں گُستاخی و بے ادبی نہ کرے۔ کیونکہ مشائخ سیوف اللہ ہیں۔ اپنے آپ کو تیغ الٰہی سے بچانا چاہیئے۔

شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں۔ ذِکْرُ الشَّیْخِ فِی الْکَلَامِ کَالْمِلْحِ فِی الطَّعَامِ اَوْ کَالنُّوْرِ فِی الظَّلَامِ اَوْ کَالرُّوْحِ فِی الْاَجْسَامِ۔ شیخ کا ذکر کلام میں ایسا ہے جیسے نمک کھانے میں یا نور اندھیروں میں یا رُوح اجسام میں۔

اَلْمُرِیْدُ لَا یُرِیْدُ اِلَّا مَا یُرِیْدُ شَیْخُہٗ۔ مُرید وہ ہے جس کا ارادہ شیخ ہی کا ارادہ ہو۔

اَلشَّیْخُ اٰمِرٌ وَالْمُرِیْدُ مَاْمُوْرٌ لِاَنَّ کُلَّ اَمْرٍ صَدَرَ عَنِ الشَّیْخِ فَکَاَنَّمَا صَدَرَ عَنِ اللّٰہِ تَعَالٰی فَوَاجِبٌ عَلَی الْمُرِیْدِ الْاِمْتِثَالُ بِہٖ فِی الْحَالِ مِنْ غَیْرِ تَاخِیْرٍ وَّتَقْصِیْرٍ وَّ قَھْرُ النَّفْسِ اَشَدُّ عَلَی الْمُرِیْدِ مِنْ دَفْعِ الشَّیْطَانِ۔ شیخ آمر ہے اور مُرید مامور ہے۔ جو امر شیخ سے صادر ہوتا ہے وُہ گویا اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ پس مُرید پر واجب ہے کہ بلا تاخیر و تقصیر اِس کی متابعت کرے۔ اور نفس کا مغلوب کرنا مُرید پر شیطان کے دفع کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔

اَیُّھَا الْمُرِیْدُ لَوْ تُخَالِفُ الشَّیْخَ قَوْلًا وَّ فِعْلًا لَا تَکُوْنُ بِحُسْنِ الْاِرَادَۃِ اَھْلًا۔ اے مُرید! اگر تو قول و فعل میں شیخ کی مخالفت کرے گا تو تو صدقِ ارادت کے لائق نہیں ہوگا۔

اَیُّھَا الْمُرِیْدُ زَیِّنْ ظَاھِرَکَ بِالْمُحَاسَبَۃِ وَ اَبْلِجْ بَاطِنَکَ بِالْمُرَاقَبَۃِ۔ اے مُرید! اپنے

ظاہر کو محاسبہ سے اور باطن کو مراقبہ سے آراستہ کرے۔

اَیُّھَا الْمُرِیْدُ اَرْضِ نَفْسَکَ بِاَنْوَاعِ الْمُجَاھِدَاتِ فَاِنَّ الْمُجَاھِدَاتِ مَوَارِیْثُ لِلْمُشَاھِدَاتِ۔ اے مُرید اپنے نفس کو طرح طرح کے مجاہدوں سے مرتاض بنا کیونکہ مجاہدوں سے مشاہدے حاصل ہوتے ہیں۔

اَیُّھَا الْمُرِیْدُ اِنْ اَرَدْتَّ اَنْ تَنَالَ مَا تَطْلُبُ فَخَالِفْ نَفْسَکَ ثُمَّ خَالِفْ نَفْسَکَ۔ اے مُرید اگر تو اپنا مقصود حاصل کرنا چاہتا ہے تو نفس کی مخالفت کر پھر مخالفت کر۔

اِذَا اَحَبَّ الْمُرِیْدُ لِنَفْسِہٖ مَا لَا یُحِبُّ لِغَیْرِہٖ کَیْفَ یُسَمّٰی مُرِیْدًا وَاِذَا رَکَنَ الْمُرِیْدُ اِلَی الدُّنْیَا الدَّنِیَّۃِ کَیْفَ یُسَمّٰی مُرِیْدًا وَاِذَا خَانَ الْمُرِیْدُ فِی الْاَمَانَۃِ کَیْفَ یُسَمّٰی مُرِیْدًا وَاِذَا لَعِبَ الْمُرِیْدُ بِالنَّرْدِ وَالشَّطْرَنْجِ کَیْفَ یُسَمّٰی مُرِیْدًا۔ جب مُرید نے اپنے لیے اس بات کو دوست رکھا جو دُوسرے کے لیے نہیں چاہتا یا اُس نے دُنیائے دُوں کی طرف رغبت کی یا اُس نے امانت میں خیانت کی یا نرد و شطرنج وغیرہ کھیل میں مشغول ہوا۔ تو ان حالات میں اس کا نام مُرید نہیں ہے۔

یَنْبَغِیْ لِلْمُرِیْدِ اَنْ یَّقُوْمَ اللَّیْلَ وَیَصُوْمَ النَّھَارَ وَمِنْ عَیْنِہِ الْبَاکِیَۃِ یُفَجِّرُ الْاَنْھَارَ۔ مُرید کو لازم ہے کہ رات کو جاگے اور دِن کو روزہ رکھے اور اپنی چشمِ گریاں سے آنسوؤں کی نہریں بہائے یعنی خشوع و خضوع و زاری کرتا رہے۔

یَنْبَغِیْ لِلْمُرِیْدِ اَنْ یَّعْمٰی عَیْنُہٗ وَیَصُمَّ اُذُنُہٗ وَیَقْطَعَ لِسَانُہٗ وَیَشُلَّ یَدُہٗ وَیَعْرُجَ رِجْلُہٗ حَتّٰی یَنْظُرَ بِلَا عَیْنٍ وَّیَسْمَعَ بِلَا اُذُنٍ وَّیَنْطِقَ بِلَا لِسَانٍ وَّیَاْخُذَ بِلَا یَدٍ وَّیَمْشِیْ بِلَا رِجْلٍ۔ مُرید کو چاہیئے کہ اس کی آنکھیں اندھی اور کان بہرے اور زبان گونگی اور ہاتھ لُنجے اور پاؤں لنگڑے ہوں۔ یہاں تک کہ وُہ آنکھوں کے بغیر دیکھے اور کانوں کے بغیر سُنے اور زبان کے بغیر بولے اور ہاتھوں کے بغیر پکڑے اور پاؤں کے بغیر چلے۔

یَنْبَغِیْ لِلْمُرِیْدِ اَنْ یَّکُوْنَ فِی التَّوَاضُعِ کَالتُّرَابِ لِیَطَاءَہٗ تَحْتَ الْقَدَمِ جَمِیْعُ

اَلشُّیُوْخِ وَالشَّابِ۔ مُرید کو چاہیئے کہ تواضع میں مٹی کی طرح ہو تاکہ تمام بوڑھے اور جوان اس کو پاؤں کے نیچے روندیں۔

مَنْ اٰذَی الشَّیْخَ اَوِالْخَلِیْفَةَ فَکَاَنَّمَا اٰذَی اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ جس نے شیخ یا خلیفہ کو ایذا دی اُس نے گویا اللہ اور اُس کے رسُول کو ایذا دی۔

مَنِ افْتَرٰی عَلَی الشَّیْخِ اَوِالْخَلِیْفَةِ کَذِبًا فَھُوَ خَاسِرٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔ جس نے شیخ یا خلیفہ پر جھوٹ باندھا اُس کو دُنیا اور آخرت میں گھاٹا پڑا۔

مَنْ وَّقَعَ الشَّیْخَ اَوِالْخَلِیْفَةَ لَمْ یُصْلِحْ اَبَدًا۔ جس نے شیخ یا خلیفہ کی عیب جوئی کی اُس کا کبھی بھلا نہ ہوگا۔

اِذَا دَخَلْتَ بَیْتَ اَحَدٍ مِّنَ الْمَشَائِخِ فَلَا تَلْتَفِتْ یَمِیْنًا وَّشِمَالًا وَّطَاطِأْ رَاْسَكَ مُغَمِّضًا عَیْنَیْكَ وَاِذَا جَلَسْتَ بَیْنَ یَدَیْهِ فَاَحْضِرْ ذِهْنَكَ وَاَصْغِ اُذُنَیْكَ اِلٰی کَلَامِهٖ وَاِذَا تَکَلَّمْتَ بَیْنَ یَدَیِ الشَّیْخِ فَلَا تَرْفَعْ صَوْتَكَ فَوْقَ صَوْتِهٖ وَاغْضُضْ مِنْهَا مُرَاعِیًا لِلْاَدَبِ۔ وَاِذَا مَشَیْتَ مَعَ الشَّیْخِ فَامْشِ خَلْفَهٗ وَلَا تَمْشِ اَمَامَهٗ وَیَمِیْنَهٗ وَشِمَالَهٗ مُرَاعِیًا لِلْاَدَبِ۔ مَنِ الْتَفَتَ بَیْنَ یَدَیِ الشَّیْخِ یَمِیْنًا وَّشِمَالًا وَّلَمْ یُحْضِرْ ذِهْنَهٗ فَقَدْ نُسِبَ اِلٰی سُوْءِ الْاَدَبِ وَفَاتَ مِنْهُ الْفَوَائِدُ۔ جب تو کسی شیخ کے گھر داخل ہو تو دائیں بائیں نہ جھانک اور آنکھیں بند کیئے ہُوئے اپنے سر کو نیچے جھکائے رکھ۔ اور جب تُو شیخ کے سامنے بیٹھے تو اپنے ذہن کو حاضر رکھ۔ اور کانوں کو پُورے طور پر اُس کے کلام کی طرف لگا۔ اور جب تو شیخ کے حضور میں کلام کرے تو اپنی آواز شیخ کی آواز سے بلند نہ کر اور نہایت ادب سے آہستہ بول۔ اور جب تُو شیخ کے ہمراہ رستہ میں چلے تو پیچھے پیچھے چل، اس کے آگے اور دائیں بائیں نہ چل جس نے شیخ کے حضور میں اِدھر اُدھر جھانکا اور اپنے ذہن کو حاضر نہ رکھا وہ بے ادبی سے منسوب ہُوا اور اُس کے سب فائدے دُور ہو گئے۔

مَنْ اَحَبَّ الشُّیُوْخَ کَانَ مَعَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ حُشِرَ صَاحِبَ الْحَسْرَةِ وَالنَّدَامَةِ جس نے مشائخ کو دوست رکھا قیامت کے دِن اُن کے ساتھ ہوگا۔ اور جس نے اِن سے

بغض رکھا وہ قیامت کے دن حسرت و ندامت سے اُٹھے گا۔

مَنْ اَحَبَّ الْمَشَائِخَ وَهُوَ سُمِّيَ خَيْرُ النَّاسِ وَمَنْ اَبْغَضَهُ هُوَ عُدَّ مِنَ الشَّيْطَانِ الْمَرِيْدِ الْخَنَّاسِ۔ جس نے مشائخ کو دوست رکھا اُس کا نام تمام لوگوں سے بہتر ہو گیا اور جس نے ان سے بغض رکھا وُہ شیطان سرکش اور خنّاس ہوا۔

اَلْمُرِيْدُ لَا يَنَالُ الْمُرَادَ قَبْلَ الْخُرُوْجِ عَنِ النَّفْسِ لِاَنَّ النَّفْسَ تَطْلُبُ مِنْهُ مَا تَشْتَهِيْ وَلَا يَحْصِلُ مَطْلُوْبُهَا بِدُوْنِ الْاِسْتِقْبَالِ بِالدُّنْيَا وَالْاِسْتِقْبَالُ بِالدُّنْيَا يَفُوْتُ رِضَاءَ الْمَوْلٰى۔ مُرید جب تک اپنے نفس سے نہ نکلے اپنی مُراد نہیں پا سکتا۔ کیونکہ نفس اپنی خواہشات و لذّات چاہتا ہے۔ اور اس کا مطلب دُنیا کی طرف مُنہ کرنے کے سوا حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور دُنیا کی طرف رغبت کرنے سے رضاء مولیٰ فوت ہو جاتی ہے۔

اَلرِّدَّةُ رِدَّتَانِ۔ رِدَّةٌ فِي الشَّرِيْعَةِ وَرِدَّةٌ فِي الطَّرِيْقَةِ۔ اَمَّا الرِّدَّةُ الْاُوْلٰى فَهِيَ اِذَا خَرَجَ الْمُسْلِمُ عَنِ الْاِسْلَامِ صَارَ مُرْتَدًّا فِي الشَّرِيْعَةِ۔ وَالرِّدَّةُ الْاُخْرٰى هِيَ اِذَا خَرَجَ الْمُرِيْدُ عَنْ اَمْرِ الشَّيْخِ صَارَ مُرْتَدًّا فِي الطَّرِيْقَةِ۔ فَلْيَنْبَغِيْ لَهُمَا اَنْ يُّجَدِّدَ اِيْمَانَهُمَا بِالرُّجُوْعِ عَنْ كِلْتَا الرِّدَّتَيْنِ۔ ردّت دو قسم کی ہے۔ ایک شریعت میں دُوسری طریقت میں۔ ردّتِ شریعت یہ ہے کہ مُسلم اسلام سے خارج ہو جائے۔ اور ردّت طریقت یہ ہے کہ مُرید اپنے شیخ کا نافرمان ہو جائے۔ ان دونوں کو چاہیئے کہ دونوں قسم کے ارتداد سے توبہ کر کے از سرِ نو پھر ایمان لائیں۔

خَيْرُ الْمُرِيْدِ مَنْ سَلَكَ طَرِيْقَ شَيْخِهٖ بِالْاِتِّبَاعِ وَاحْتَرَزَ عَنْ مُخَالَفَتِهٖ غَايَةَ الْاِحْتِرَازِ۔ اچھا مُرید وُہ ہے جو شیخ کے طریق پر اُس کی متابعت میں چلے اور اس کی مخالفت سے حد درجہ تک بچے۔

مَنْ تَابَعَ شَيْخَهٗ وَاحْتَرَزَ عَنْ مُخَالَفَتِهٖ فَقَدْ بَلَغَ الْمَنَازِلَ وَنَالَ الْمَطْلُوْبَ۔ جس نے شیخ کی تابعداری کی اور اس کی مخالفت سے بچا وُہ منزلِ مقصود تک پہنچ گیا۔ اور مطلوب کو پا لیا۔

اَلْاِرَادَۃُ یُفْتَحُ بِالتَّوْبَۃِ عَنِ الْمَعَاصِیْ وَتَتِمُّ بِتَرْکِ الدُّنْیَا وَزَخَارِفِہَا فَمَنْ لَّمْ یَأْتِ بِہٰذَیْنِ التَّرْکَیْنِ لَایُسَمّٰی مُرِیْدًا عِنْدَ الْقَوْمِ۔ ارادت معاصی سے توبہ کرنے سے شروع ہوتی ہے۔ اور دُنیا اور اُس کی زیب و زینت ترک کرنے پر ختم ہوتی ہے۔ جس میں یہ دونوں ترک نہ ہوں قوم کے نزدیک وُہ مُرید نہیں ہے۔

شرح غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ مُرید کو چاہیئے کہ ظاہر و باطن میں شیخ کے موافق ہو اور اپنے ارادہ واختیار و تصرّف کو چھوڑ دے اور کوئی فعل پیر کی رضا و روش کے برخلاف نہ کرے اور شیخ کے تصرّفات کو تسلیم کرے کیونکہ شیخ احکامِ قضاوقدر کے لیئے نردبان ہے اگر شیخ سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جو بظاہر شریعت و طریقت کے برخلاف ہو تو اُسے اپنے قصورِ فہم پر محمول کرے یا اس کی نیک تاویل کرے اور حضرت خضر و مُوسٰی علیہما السّلام کا قصّہ یاد کرے۔ اگر ایماء و اشارہ کے طریق پر اس کی خدمت میں عرض کرے تو جائز ہے لیکن بیگانہ سے ہرگز نہ کہے۔ اور جب دُوسرے دن شیخ کی صحبت میں آئے تو اِس عیب کو دُور ہوا ہوا خیال کرے اور بلند مرتبہ پر منتقل ہوا ہوا تصوّر کرے کہ مشائخ ساعت بساعت مرتبہ قرب میں ترقی کرتے ہیں۔ اگر اس پر غصّہ ہووے تو اس سے الگ نہ ہو جائے بلکہ اپنی طرف رجوع کرے کہ شاید اس سے کوئی بے ادبی ہوئی ہوگی۔ اور اس کو اس کی خبر نہ ہوئی ہوگی۔ جب اس قصور یا بے ادبی کا پتہ لگے تو توبہ کرے اور عُذر خواہی سے پیش آئے اور تواضع و چاپلوسی سے پیر کو اپنے اُوپر مہربان کرے اور شیخ کو طریق وصُول اِلی اللہ میں وسیلہ جانے اور راہِ سلوک میں اپنے آپ کو متابعتِ شیخ سے بے چارہ جانے اور یقین جانے کہ اگر کوئی بادشاہ کی خدمت میں جانا چاہے تو بے وسیلہ نہیں جاسکتا۔ اِس لیئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا وسیلہ پیدا کرے جس سے ملازمتِ سلوک کے آداب سیکھے۔

ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی پیر کے ساتھ صحبت رکھے اور پھر دِل میں اعتراض کرے تو گویا اُس نے صحبت کا عہد توڑ دیا۔ اس پر توبہ واجب ہے۔ بلکہ بزرگوں

نے یہاں تک فرمایا ہے کہ شیخ کی عقوق و نافرمانی کے لئے توبہ ہی نہیں۔

رسالہ احسن الاقوال میں لکھا ہے کہ جو کوئی اہل پیوند میں سے ہے اس کو چاہیئے کہ یہ ورد بہت پڑھا کرے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ مُتَابَعَةَ الشَّيْخِ ظَاهِرًا وَّبَاطِنًا وَّثَبِّتْنِيْ عَلَيْهَا وَاحْفَظْنِيْ عَنْ مُخَالَفَتِهٖ ظَاهِرًا وَّبَاطِنًا رَبَّنَا۔ یا اللہ تو مجھے ظاہر و باطن میں شیخ کی متابعت نصیب فرما اور اس پر ثابت قدم رکھ۔ اور ظاہر و باطن میں اس کی مخالفت سے بچا۔ اے ہمارے رب!

نفائس الفنون میں لکھا ہے کہ سالک مرید کے لئے اکیس آداب ہیں:۔

اوّل یہ کہ جہاں تک ہو سکے خدا تعالیٰ کی جناب میں استغفار اور طلب رحمت کے وقت امر و نہی سے خطاب نہ کرے کہ اس میں ترک ادب ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے جب اپنی اُمّت کے عاصیوں کے لئے دُعا کی تو یہ کہا۔ مَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ یعنی جس نے میری نافرمانی کی پس تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اِغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ نہ کہا۔ اور حضرت ایّوب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے رَبِّ اِنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ الٰہی مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ کہا اور اِرْحَمْنِيْ نہ کہا۔

ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ اگر تو اِن کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اگر بخش دے تو تو غالب حکمت والا ہے۔ کہا۔ اور لَا تُعَذِّبْهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ نہ کہا۔

دُوسرا یہ کہ کلامِ الٰہی جب اُس کی زبان پر یا کسی اور کی زبان پر جاری ہو تو اُسے تکلّمِ حقیقی سے سُنے اور زبان کو درمیان وسیلہ اور واسطہ سمجھے۔

تیسرا یہ کہ اپنے نفس کو آثارِ رحمتِ الٰہی کے اظہار کرنے میں مخفی رکھے چنانچہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے زُوِیَتْ لِیَ الْاَرْضُ فَاُرِیْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا۔ یعنی زمین میرے سامنے کی گئی اور اس کے مشارق و مغارب مجھے دکھائے گئے اور یہ نہ کہا فَرَأَیْتُ

مَشَارِقِهَا وَمَغَارِبِهَا۔ میں نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھا۔

چوتھا یہ کہ اگر اسرارِ ربوبیّت میں سے کسی سِرّ پر واقف ہو جائے تو اس کو بطورِ امانت رکھے اور اس کا ظاہر کرنا جائز نہ سمجھے ورنہ مرتبۂ قرب سے گِر جائے گا۔ اور خبر میں ہے کہ اسرارِ ربوبیّت کا اظہار کفر ہے۔

پانچواں یہ کہ سوال و دُعا و سکُوت کے اَوقات کی رعایت رکھے۔ کیونکہ جو ان کی رعایت نہیں کرتا وُہ دُعا کے وقت ساکت اَور سکُوت کے وقت دُعا کرنے والا ہو گا۔ تو ایسا وقت اس کے لِئے مُوجبِ عذاب ہو جائے گا۔ اِن پانچ آداب کی رعایت جنابِ الٰہی سے منسُوب ہے۔

چھٹا یہ کہ جس طرح خدا تعالیٰ کو اپنے ظاہری و باطنی حالات پر واقف و مطلع دیکھتا ہے اُسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ظاہری و باطنی حالات پر مطلع و واقف متصوّر کرے اور ان کی مخالفت سے ظاہر و باطن میں شرم کرے۔

ساتواں یہ کہ اپنے دل میں ٹھان لے کہ کسی مخلوق کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا سا کمالِ منزلت و علوِّ مرتبت ممکن ہی نہیں اَور کوئی سالک خدا تعالیٰ کی جناب میں حضور کی رہنمائی کے بغیر ہدایت نہیں پا سکتا۔ اَور نہ ہی کسی ولی کو آپ کی سی قُوّتِ تکمیل و ارشاد ہو سکتی ہے۔

آٹھواں یہ کہ سُنّت کی متابعت بڑی کوشش سے کرے اَور اس میں سُستی کو جائز نہ سمجھے اَور یقیناً جان لے کہ درجۂ محبُوبی حضور کی اطاعت کے سوا نہیں پایا جا سکتا۔ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ اَور جس نے رسُول کی تابعداری کی پس اُس نے اللہ کی اطاعت کی، کے بمُوجب آپ کی اطاعت کو عین اطاعتِ حق جانے۔

نواں یہ کہ جو لوگ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے ظاہری و باطنی نسبت و تعلق رکھتے ہیں مثلاً سادات، مشائخ و عُلماء جو آپ کے علم کے وارث ہیں سب کے ساتھ محبّت رکھے اَور اُن کی عزّت و تعظیم بجالائے۔

دسواں یہ کہ شیخ کے حق میں ایسا اعتقاد کرے کہ تربیّت و ارشاد میں اس سے زیادہ

کامل جہاں میں اَور کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر محبّت کا راستہ ضعیف ہوگا۔ تو شیخ کے اقوال و افعال کی تاثیر اس کے حق میں چنداں مفید نہ ہوگی۔

گیارھواں یہ کہ شیخ کی صحبت کا ملازم رہے اَور اس کے ردّ و طعن سے پھر نہ جائے کیونکہ مشائخ مُریدوں کے حالات معلوم کرنے کے لِئے بہت سے اِمتحان کیا کرتے ہیں۔

بارھواں یہ کہ شیخ کے تصرّفات کو تسلیم کرے اَور ظاہر و باطن میں اِعتراض نہ کرے۔ اَور اگر شیخ کے کسی امر کی وجہِ حکمت معلوم نہ ہو۔ تو خضر و موسیٰ علیہما الصّلوٰۃ والسّلام کا قصّہ یاد کرے۔

تیرھواں یہ کہ اپنا اختیار بالکل چھوڑ دے اَور دینی دُنیاوی اُمور مثلاً عبادات از قسمِ صوم و صلوٰۃ، نوافل و اذکار اَور تلاوت و مراقبہ وغیرہ اُمورِ دین اَور کھانا پینا، لین دین وغیرہ معاملاتِ دُنیا سب شیخ کے اِرادہ و فرمان کے بموُجب بجالائے اَور جس امر کو شیخ کا دل مکرُوہ جانے اس سے بچے۔

چودھواں یہ کہ بے واسطہ اِس امر کا منتظر رہے کہ شیخ کے مُنہ سے کیا کلام نِکلتا ہے اَور اس کی زبان کو کلامِ حق کا واسطہ جانے۔

پندرھواں یہ کہ شیخ کے حضور میں آواز بلند نہ کرے کہ یہ ترکِ اَدب ہے۔

سولھواں یہ کہ اپنے نفس کو ظرافت و خوش طبعی سے روکے اَور شیخ کے ساتھ قولاً فعلاً اِنبساط جائز نہ رکھے۔ ورنہ خوف و رُعب کا پردہ درمیان سے اُٹھ جائے گا۔

سترھواں یہ کہ جب دینی یا دُنیوی اُمور کے متعلّق شیخ سے گفتگو کرنا چاہے تو پہلے دیکھ لے کہ شیخ کو کلام کرنے کی فرصت ہے یا نہیں۔ اَور جلدی جلدی اپنے بہت سے مطالب بیان نہ کرے۔

اٹھارھواں یہ کہ اپنے مرتبہ کو نگاہ رکھے اَور جو مقام اس کے حال کے مناسب نہ ہو اس کی نِسبت کلام نہ کرے کہ اس میں مضرّت و تکلیف کا اندیشہ ہے۔

اُنیسواں یہ کہ حال و اسرار از قسمِ کرامات و واقعات وغیرہ شیخ سے پوشیدہ رکھے۔

جب مُرید کو اطلاع ہو جائے تو ظاہر نہ کرے۔ ممکن ہے کہ اس میں کوئی دینی یا دُنیوی مصلحت ایسی ہو جس کا ابھی تک اُس کو علم نہ ہو۔

بیسواں یہ کہ اپنے اسرار کو شیخ سے پوشیدہ نہ رکھے اور جو کرامت و بخشش خدا کی طرف سے اُسے عنایت ہو اشارہ یا صریح طور سے شیخ کے پاس بیان کرے۔

جاننا چاہیئے کہ ارادت مُرید کی صفت ہے اور مُرادمندی پیر کی صفت ہے۔ اگر کوئی مُرید شیخ سے کہے کہ میں تیرا مُرید ہوں اور شیخ انکار کرے تو اس صُورت میں وُہ مُرید ہے، کیونکہ ارادت مُرید کا فعل ہے اور وُہ اِس پر اقرار کرتا ہے۔ ہاں اگر شیخ کہے کہ تُو میرا مُرید ہے اور مُرید کہے کہ نہیں میں تیرا مُرید نہیں ہُوں۔ اِس صُورت میں وُہ مُرید نہ ہوگا۔ کیونکہ وُہ اپنے فعل کا منکر ہے۔

محققین فرماتے ہیں کہ مُرید میں اصلی قابلیّت ہونی چاہیئے یعنی محرومِ ازلی نہ ہو۔ تاکہ شیخ کی بات اُس میں اثر کرے۔ ورنہ اس کی ہدایت کے لیئے کسی نبی، ولی کی کوشش مفید نہ ہوگی۔ ابُوطالب اور جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی کوشش کا قصّہ مشہور ہے۔

اگر خدائے نباشد ز بندہ خوشنود شفاعتِ ہمہ پیغمبراں ندارد سُود

ترجمہ

خُدا جب تک نہ ہو بندے سے خوشنود شفاعت انبیاء کی بھی ہے بے سُود

مُرید کو لازم ہے کہ شیخ کے حضور میں کسی اَور کے اَدب و احترام میں مشغول نہ ہو۔ نقل ہے کہ جب شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں آئے اور خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی۔ کچھ مدّت بعد خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ دہلی تشریف لائے۔ شیخ فرید ان کی پابوسی کے لیئے نہ گئے۔ اِس لیئے کہ اگر میں پیر کے حضور میں پہلے اپنے پیر کی پابوسی نہ کرلُوں پیر کے آداب و لحاظ میں فرق آتا ہے۔ اِس پر خواجہ صاحب نے بذاتِ خود خواجہ بختیار کاکی سے فرمایا کہ شیخ فرید کو بلائیں۔ جب آپ حاضر ہوئے تو اُنھوں نے پہلے اپنے پیر کی پابوسی

کی اور اُنہوں نے پکڑ کر اپنے پیر کے پاؤں میں ڈال دیا۔ اُنہوں نے شیخ فرید کو بغل میں لے لیا۔ اور بڑی عنایت و مہربانی فرمائی۔

رشحات میں خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت مولانا قاسم قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک دن مولٰینا زین الدّین ابوبکر تکباروی کی مجلس میں حاضر تھا کہ کسی شیخ کا مُرید حاضر ہوا مولٰینا نے اس سے پوچھا کہ تو اپنے شیخ کو زیادہ دوست رکھتا ہے یا ابُوحنیفہ کو۔ اُس نے عرض کیا کہ اپنے شیخ کو۔ مولٰینا غضب میں آ گئے اور اُس کو کتا کہہ کر گھر چلے گئے۔ میں وہیں بیٹھا رہا۔ ایک گھڑی کے بعد مولانا باہر نکلے اور کہنے لگے کہ میں اُس شخص سے غصّہ ہوا تھا آ اُس سے عُذر خواہی کریں۔ میں مولٰینا کے ہمراہ ہو چلا۔ اتفاقاً وُہ شخص سامنے سے آملا اور کہنے لگا کہ مَیں آپ سے عُذر خواہی کرنے آیا تھا اور عرض کیا چاہتا تھا کہ میں کئی برس سے ابُوحنیفہ کے مذہب پر تھا لیکن مجھ سے کوئی بُری صِفت دُور نہ ہُوئی اور شیخ کی ملازمت سے میں نے تھوڑے ہی دنوں میں صفاتِ بد سے کنارہ کر لیا اگر ایسے آدمی کو ابُوحنیفہ سے زیادہ دوست رکھوں تو کیا مضائقہ ہے۔ اگر اِس قسم کی دوستی شریعت میں مذمُوم اور منہی عنہ ہے تو مَیں نے اُس سے توبہ کی۔ مولٰینا نے بہت عُذر خواہی کی اور اس کے بہت ممنُونِ اِحسان ہُوئے اور اُس کے اِس عقیدہ کو اچھا جانا۔

مُرید کو چاہیئے کہ پیر کے سجّادہ پر پاؤں نہ رکھے کہ اِس میں بے ادبی اور خرابی ہے چنانچہ نقل ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے شیخ عبداللہ انصاری کو ناحق تہمت لگائی جس کے سبب وُہ گرفتار ہو گئے اور بادشاہِ وقت نے آپ کے قتل کا حکم دے دیا۔ شیخ نے دل میں سوچا کہ میں نے قصُور تو کوئی نہیں کیا جس کے باعث مجھے قتل کا حکم ہوا ہے۔ البتّہ ایک دِن خواجہ ابُوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے سجّادہ پر بھُول کر پاؤں پڑ گیا تھا۔ اگر اس قصور کے عوض یہ مصیبت مجھ پر نازل ہوئی ہے تو میں نے توبہ کی۔ جُونہی یہ خیال دل میں آیا قتل سے رہائی ہو گئی۔ جب بزرگ کے سجّادہ پر غلطی سے پاؤں پڑ جانے سے یہ حال ہے تو یہ خیال کرنا چاہیئے

کہ جو لوگ دیدہ دانستہ بزرگوں کی بے ادبی کرتے ہیں اُن کی کیا سزا ہو گی۔

مُرید کو چاہیئے کہ جو کوئی اس کے پیر کا مخالف ہو اُس سے صحبت نہ رکھے بلکہ اُس سے آزردہ رہے۔ نفحات میں ہے کہ شیخ ابوالحسن کے مناقب کی نسبت گفتگو شروع ہوئی شیخ الاسلام نے کہا کہ مَیں تو اُسے اچھا نہیں جانتا کہ میرے اُستاد کو بُرا بھلا کہا کرتے تھے۔ پھر فرمایا کہ کوئی اُستاد کو رنج پہنچائے اَور تُو اس سے رنجیدہ نہ رہے تو تجھ سے تو کُتّا بہتر ہے۔

رشحات میں ہے کہ شیخ سیفُ الدّین رحمۃ اللہ علیہ جو خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے یاروں میں سے تھے۔ اُن کے مقہُور ہونے کا باعث یہ ہوا کہ ایک دن خواجہ صاحب کے ہمراہ بخارا کے کسی کوچہ میں جا رہے تھے۔ اتفاقاً شیخ محمد حلّاج بھی جو مشائخ وقت میں سے تھے سامنے سے آنکلے۔ خواجہ بزرگ نے اپنی کرم و مروّت کے بمُوجب اُن کی طرف توجّہ فرمائی۔ اُن کے رُخصت ہونے کے وقت خواجہ صاحب ان کے ہمراہ پانچ چھ قدم چلے۔ شیخ سیف الدین نے اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ آپ آگے آیا اَور چند قدم اَور ان کے ہمراہ چلا۔ حالانکہ سیفُ الدّین کو معلوم تھا کہ شیخ محمّد حلّاج خواجہ بزرگ کے سخت منکرین میں سے ہیں۔ خواجہ کے دل میں اس بے ادبی سے غیرت پیدا ہوئی اَور طبیعت نہایت متغیّر ہوئی۔ غرض جب وُہ ان کو رخصت کر کے واپس آئے تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اس بے ادبی سے کہ تو مجھ کو چھوڑ کر محمّد حلّاج کے ہمراہ ہو چلا۔ تو نے اپنے آپ کو برباد کیا اَور بخارا کو بھی تباہ کیا اَور جہان کو ویران کیا چنانچہ تھوڑے عرصہ بعد ویسا ہی ہوا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔

مُرید کو چاہیئے کہ شیخ کے حضور میں کسی امر کی نسبت دُوسرے کے ساتھ بحث و جدال نہ کرے۔ لکھّا ہے کہ خواجہ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان خانہ میں دو خادم تھے جو آپ کی خدمت کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وُہ دونوں ایمان کی نسبت بحث کر رہے تھے کہ ان کی قیل و قال دُور دراز تک پہنچ گئی۔ خواجہ صاحب نے ان کی اِس گفتگو کو سُنا تو اُن دونوں کو اپنی خدمت میں بٹھا کر کہا کہ اگر تم میری صحبت چاہتے ہو تو تمہیں ایمان سے سروکار ہی نہ رکھنا چاہیئے۔ وُہ یہ بات

سُن کر بہت بے قرار ہُوئے اَور بڑی مدّت تک اِضطراب میں رہے۔ آخر کار اس بات کا مطلب اُن پر ظاہر ہو گیا۔

مرید کو چاہیئے کہ پیروں کے مقام پر کفش و نعلین پہنے ہوئے نہ جاتے باہر اُتار کر حضور میں جائے کہ یہ بات ادب میں داخل ہے۔ اَور اگر پیر کے حضور میں ان کے حکم سے اِمامت کا اِتفاق ہو جائے تو نماز کے بعد مختصر سی دُعا پڑھ کر پسِ پشت آجائے اَور سُنّت ادا کرے۔ بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ دُعا خود نہ مانگے۔ سلام پھیرتے ہی پسِ پشت آجائے اَور دُعا کی خواستگاری پیر سے کرے کہ اَدب یہی ہے۔

اگر پیر کا پس خوردہ پانی مِل جائے تو اُس کو کھڑے ہو کر پیئے۔ اگرچہ از رُوئے حکمت کھڑے ہو کر پانی پینا منع ہے لیکن از رُوئے ادب تین پانی کھڑے ہو کر پینے جائز ہیں۔ ایک آبِ زم زم، دُوسرے وضو کا پانی اَور تیسرے بزرگوں کا پس خوردہ پانی۔ تاکہ اس کی برکت تمام بدن میں پہنچے۔ اَور جتنی مرتبہ پیراہن و خرقہ و کلاہ وغیرہ پیر سے عطا ہو ہر بار شکرانے کا دوگانہ ادا کرے۔ وُہ کیسا ہی سعید و مقبول مُرید ہے جس کو اس کا مُرشد و مخدوم سرفراز و ممتاز فرماوے۔ چاہیئے کہ اس کے آداب بجالائے تاکہ اس کا فائدہ دونوں جہان میں حاصل ہو۔

حضرت جریر عبد اللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم حجرہ میں اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہُوئے تھے۔ میں ذرا دیر سے حاضر ہوا۔ دیکھا تو حجرہ کے اندر بیٹھنے کو جگہ نہ تھی۔ میں حجرہ کے باہر ہی بیٹھ گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نظر مبارک جب مجھ پر پڑی تو کمال تواضع و شفقت سے جو آپ کی ذات پاک میں بہت بڑھ کر تھی، اپنی چادر مبارک کو اپنے کندھے مبارک سے اُتار کر لپیٹا اَور میری طرف پھینک دیا اَور فرمایا کہ اس پر بیٹھ جاؤ۔ میں اِس مہربانی سے ایسا خوش ہوا کہ اپنے کپڑوں میں نہ سما سکا حضور کی چادر مبارک کو بوسہ دیا۔ آنکھوں اَور مُنہ پر مَلا اَور حضور کی خدمتِ اقدس میں واپس دے دی۔ اس وقت مجھے ایسی خوشی ہوئی کہ اگر مجھے دونوں جہان مِل جاتے تو بھی ایسا خوش

نہ ہوتا۔ ائمۂ حدیث نے لکھا ہے کہ آپ آں حضرت کی تواضع سے جب تک زندہ رہے دُوسرے صحابہ کے نزدیک معظم و مکرّم رہے۔ بلکہ ان کی اولاد و احفاد بھی خلقت کے درمیان ممتاز و معزّز رہے۔

خواجہ علاؤالدّین عطّار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مُرید کے لئے پیر کی صحبت سُنّتِ مؤکّدہ ہے۔ اگر ہر روز نہ ہو سکے تو ہر ماہ ایک دو دفعہ سہی۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھے تاکہ کلّی غَیبت واقع نہ ہو جائے۔ حضرت مجدّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ میرے بھائی خواجہ جمال الدّین صاحب! مدّت ہُوئی ہے کہ آپ نے اپنی کیفیّت و حالات سے مطلع نہیں کیا۔ کیا آپ نے نہیں سُنا کہ مشائخ کبرویہ ایسے شخص کو جو تین روز تک اپنے احوال و واقعات شیخ کی خدمت میں عرض نہ کرے، کفِ پا فرماتے ہیں۔ خیر جو کچھ ہوا سو ہوا۔ پھر ایسا نہ کرنا۔ جو کچھ ہوتا رہے لِکھتے رہا کریں۔

مُرید کو چاہیئے کہ جو کچھ پیر سے سُنے اُس کو یاد رکھے بلکہ اس کو لکھ لے۔ چنانچہ حضرت نظام الدّین اَولیاء رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر سے نقل کرتے ہیں کہ اُنھوں نے فرمایا ہے کہ وُہ مُرید کیسا سعید ہے کہ جو کچھ اپنے پیر سے سُنے گوشِ ہوش سے اُس پر متوجّہ ہو۔

آثار الاولیاء میں لکّھا ہے کہ جب مُریدِ صادق اپنے پیر کی باتوں کو گوشِ ہوش سے سُنتا ہے اَور اُن کو لکھ لیتا ہے۔ ہر حرف کی تعداد کے موافق ہزار سالہ طاعت کا ثواب اُس کے عمل نامہ میں لکّھا جاتا ہے اَور مرنے کے بعد اُس کی جگہ علّیّین ہوتی ہے۔

محبُوب السّالکین سے منقول ہے کہ مُرید کو لازم ہے کہ کنایہ اَور ہزل سے کوئی ایسی بات زبان پر نہ لائے جس سے بیعت کی نفی مفہوم ہو۔ کیونکہ ایسے کلمات سے ارادت میں نقصان پہنچتا ہے۔ اَور اگر کوئی پوچھے کہ تو کس کا مُرید ہے تو اپنے پیر کا نام لے اَور اپنے سِلسلہ کے کسی بزرگ کا نام نہ لے کہ اِس سے بھی ارادت میں نقصان پیدا ہو جاتا ہے بسا اَوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب سالکانِ طریقت ایک دُوسرے سے پُوچھتے ہیں کہ تو کس کا مُرید ہے اَور کس سِلسلہ میں بیعت ہے۔ اکثر نادان جو غلطی پر ہوتے ہیں اَور حقوقِ پیری و مُریدی کو نہیں جانتے وُہ

کہتے ہیں کہ ہم تو غوث الثقلین رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید ہیں۔ ایک کہتا ہے میں خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا مُرید ہُوں۔ ایک کہتا ہے کہ مَیں خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا مُرید ہُوں علٰے ہٰذا القیاس۔ ہر ایک اپنے کسی صاحبِ سلسلہ کا نام لیتا ہے اَور اُس شیخ کا نام نہیں لیتے جس کے وُہ مُرید ہوتے ہیں اَور جس سے اُنہوں نے بیعت کی ہوتی ہے بلکہ اُنہیں عار آتی ہے۔ ایسے سب لوگ غلطی پر ہیں اَور کسی کے بھی مُرید نہیں ہیں۔

شیخ کو بھی جائز نہیں کہ مُرید کرتے وقت اس کو یہ کہے کہ تو ہماری بیعت کر کے فلاں شخص کا مُرید بن گیا ہے۔ بلکہ چاہیئے کہ اوّل پیرِ حاضر کا نام لے جس سے اُس نے بیعت کی ہے۔ پھر پیرِ غائب کا نام لے تا کہ اُن کی پیری و مُریدی عند الشریعت و الطریقت جائز ہو۔ غرض پیرِ حاضر سے گِن کر سِلسلہ کو رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلّم تک پہنچائے کہ یہی طریقہ اَور قاعدہ ہے۔ مثلاً اگر کوئی پُوچھے کہ تُو کِس کا بیٹا ہے اَور وُہ جواب میں اپنے کسی مشہُور دادا یا پڑدادا کا نام لے اَور کہے کہ میں اس کا بیٹا ہُوں تو کیسی ناجائز بات ہے۔ اُس کو پہلے اپنے حقیقی باپ کا نام لینا چاہیئے اَور وہاں سے پھر اُوپر تک سِلسلہ پہنچانا چاہیئے۔ یا اگر مقتدی سے پُوچھا جائے کہ تُو کِس امام کی اِقتدار میں نماز ادا کرتا ہے۔ اگر اس نے حاضر اِمام کا نام لیا تو اس کی نماز ہر مذہب و مِلّت میں درست ہو گی۔ اَور اگر غائب اِمام کا نام لیا تو اس کی نماز کسی صوُرت میں جائز نہ ہو گی۔ ایسے ہی مُرید کا حال ہے کہ جب تک اُس کی اِرادت و بَیعت ٹھیک نہ ہو گی وُہ کسی کا بھی مُرید نہ کہلائے گا۔

حضرت محبوبِ سبحانی، قطبِ ربّانی، غوثِ صمدانی حضرت مجدّدِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوباتِ قدسی آیات سے چند آداب و نصائح جو مشائخ و مریدین کے لئے موجبِ ہدایت اور ذریعۂ وصول الی اللہ ہیں، مختصر طور پر درج کیے جاتے ہیں تاکہ سالکانِ طریقت و عاشقانِ حقیقت ان کو اپنا دستور العمل بنا کر اپنا مطلوب و مقصود حاصل کریں۔

شیخ کے لئے آداب

شیخ کے لئے لازم ہے کہ جب کوئی طالب طریقت میں داخل ہونے کے لئے اس کے پاس آئے۔ اوّل اس کے حق میں استخارہ کرے اور تین بار سے لے کر سات دفعہ تک استخارہ کرے۔ استخارہ کرنے کے بعد اگر طالب میں کسی قسم کا تذبذب پیدا نہ ہو تو اس کو داخلِ طریقت کر لے اور یہ یاد رہے کہ شیخ کامل و مکمّل کی دلی قبولیّت بھی استخارہ کے قائم مقام ہے۔ اور اگر استخارہ و قبولیّت دونوں ہوں تو بہت ہی بہتر ہے۔ اس کے بعد اس کو مجمل طور پر توبہ کا طریق بتلائے اور تفصیلی طور پر توبہ کو زمانہ پر چھوڑ دے۔ کیوں کہ اس زمانہ میں ہمّتیں بہت پست ہو گئی ہیں۔ اگر ابتدا ہی میں اس کو مفصّل طور پر توبہ حاصل کرنے کی تکلیف دی جائے تو اس کے واسطے بہت وقت درکار ہے اور ممکن ہے کہ اس قدر مدّت تک طالب کی طلب میں فتور پیدا ہو جائے اور وہ اپنے اصلی مطلب سے رک جائے اور توبہ کو بھی پورے طور پر سرانجام نہ دے سکے۔ اس کے بعد اس کو ایسے طریق کی تعلیم دے جو اس کی استعداد کے مناسب ہو۔ اور وہ ذکر تلقین کرے جو اس کی قابلیّت کے موافق ہو۔ اس کے حق میں توجہ اور اس کے حال پر نظرِ التفات فرماتا رہے۔ اور طریقت کے آداب و شرائط اس کو بتلائے اور کتاب و سُنّت کی تابعداری اور سلف صالحین کی پیروی کرنے میں اس کو ترغیب دے۔ اور تاکید کرے کہ ان کی تابعداری کے بغیر مطلوب تک پہنچنا محال و دشوار ہے۔ اور اس کو جتلا دے کہ ایسے کشف و واقعات جو کتاب و سُنّت کے ذرا بھی مخالف ہوں

ان کا کچھ اعتبار نہ کرے اور ان سے توبہ کرے۔ اور اس کو نصیحت کرے کہ اپنے عقائد کو فرقۂ ناجیہ اہلِ سُنّت وجماعت کے عقائد کے موافق دُرست کرے۔ اور فقہ کے ضروری احکام کے سیکھنے اور اُن کے موافق عمل کرنے کی اُس کو تاکید کرے کہ طریقت میں اعتقادی اور عملی دو پروں کے بغیر اُڑنا مشکل ہے۔ تاکید کرے کہ لقمۂ حرام ومشتبہ میں پُوری پُوری احتیاط کرے۔ ایسا نہ کرے کہ جو کچھ مِل گیا اور جہاں کہیں سے ہاتھ لگا جھٹ کھالیا۔ بلکہ جب تک شریعتِ غرّا اس کے کھانے کے لئے فتویٰ نہ دے نہ کھائے۔ غرض تمام امور میں آیتِ کریمہ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ج وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج اور رسول (کریم) جو تمہیں عطا فرمادیں وُہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رُک جاؤ۔

طالبوں کے حال دو امر سے خالی نہیں بعض تو اہلِ کشف ومعرفت ہوتے ہیں اور بعض صاحب جہل وحیرت لیکن منازل طے کرنے اور حجاب کے دُور ہو جانے کے بعد دونوں گروہ واصل ہیں نفسِ وصول میں ایک کو دُوسرے پر کوئی زیادتی نہیں جس طرح دو شخص منازلِ بعیدہ طے کر کے کعبہ معظّمہ میں پہنچیں۔ ایک تو رستہ کی منازل کو دیکھتا ہوا اور مفصّل طور پر اپنی اِستعداد کے موافق سیر کرتا ہوا جائے۔ اور دُوسرا منازلِ راہ سے آنکھیں بند کئے ہُوئے اور مفصّل طور پر اطلاع نہ پاتے ہوئے پہنچے۔ کعبہ مکرّمہ کے پہنچنے میں دونوں برابر ہیں۔ کسی کو اِس وصُول میں دُوسرے پر زیادتی نہیں ہے۔ یاد رہے کہ تاثیر کا دیر سے ہونا اِستعداد کے کم ہونے کی علامت نہیں ہے۔ بعض کامل اِستعداد والے بھی اِس بلا میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

صاحبانِ اِرشاد کو خطاب

صاحبانِ اِرشاد کو لازم ہے کہ وُہ اِس امر کی نہایت حفاظت کریں کہ اُن سے کوئی ایسا فِعل سرزد نہ ہو جو مخلوقات کی نفرت کا باعث ہو کہ اس میں وبالِ عظیم ہے۔ خلقت کی نفرت اس ملامتی گروہ کے مناسبِ حال ہے جن کو شیخی اور دعوتِ خلق سے کچھ تعلّق

نہیں ہے بلکہ مقامِ ملامت مقامِ شیخی کے برخلاف ہے ایسا نہ ہو کہ اِن دونوں مقاموں کو باہم مِلا دیں اور عینِ شیخی میں ملامت کی آرزو کریں کہ یہ بڑا ظلم ہے اور مُریدوں کی نظروں میں اپنے آپ کو آراستہ پیراستہ رکھیں اور حد سے بڑھ کر ان سے میل جول نہ رکھیں کہ یہ امر خفّت اور سُبکی کا باعث ہے جو افادہ اور استفادہ کے منافی ہے۔ اور حدودِ شرعیہ کی حفاظت میں بہت رعایت کریں۔ جہاں تک ہو سکے رُخصت پر عمل نہ کریں کیونکہ یہ بات اس بزرگ طریقہ نقشبندیہ کے منافی اور سنّتِ سنیہّ کی تابعداری کے دعویٰ کے خلاف ہے۔

کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ رِیَاءُ الْعَارِفِیْنَ خَیْرٌ مِّنْ اِخْلَاصِ الْمُرِیْدِیْنَ یعنی عارفوں کا ریا مُریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے۔ کیونکہ عارفوں کا ریا طالبوں کے دلوں کو بارگاہِ الٰہی کی طرف کھینچنے کے لِئے ہوتا ہے۔ تو ایسا ریا مُریدوں کے اخلاص سے بہتر ہو گا اور نیز عارفوں کے اعمال طالبوں کے لِئے موُجبِ تقلید ہیں۔ اگر عارف خود عمل نہ کریں گے تو طالب محرُوم رہ جائیں گے پس عارف لوگ اِس لِئے ریا کرتے ہیں کہ مُرید اُن کی اقتدار کریں۔ یہ ریا عین اخلاص ہے بلکہ اُس اخلاص سے جو محض اپنے نفع کے لِئے کیا جائے کئی درجہ بہتر ہے۔ اِس بات سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ عارف لوگ محض طالبوں کی تقلید ہی کے لِئے عمل کرتے ہیں اور اُن کو عمل کرنے کی حاجت نہیں۔ نعوذ باللہ یہ تو عین الحاد اور زندقہ ہے۔ بلکہ عارف لوگ تمام طالبوں کی طرح عمل بجالانے میں یکساں ہیں عمل بجالانے سے کسی کو چارہ نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ عارفوں کے اعمال میں بسا اوقات طالبوں کا نفع ملحوظ ہوتا ہے جو تقلید پر منحصر ہے اور اِس اعتبار سے اس کو ریا کہتے ہیں۔ غرض قول و فعل میں نہایت ہی محافظت کریں کہ اکثر لوگ اس زمانہ میں جنگ و جدال کے درپے ہو جاتے ہیں۔ کوئی ایسا امر سرزد نہ ہو جو اس مقام کے منافی ہو اور جاہلوں کو بزرگانِ دین کے حق میں زبانِ طعن دراز کرنے کا موقع مِل جائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے استقامت طلب کریں۔

مدارِ طریقِ نقشبندیہ

اِس طریق کا مدار دو اصول پر ہے۔ ایک شریعت پر استقامت رکھنا اِس حد تک کہ چھوٹے چھوٹے آدابِ شرعی کے ترک پر بھی راضی نہ ہو۔

دُوسرے شیخِ طریقت کی محبّت اور اخلاص پر ایسا راسخ اور ثابت قدم ہو کہ اس پر کسی قسم کے اعتراض کی مجال نہ رہے بلکہ اُس کی تمام حرکات وسکنات مُرید کی نظر میں زیبا اور محبوب دِکھائی دیں۔ خدا تعالیٰ بچائے کہ اِن دو اصولوں کے متعلقہ امُور کے ادا کرنے میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہو جائے۔ اگر خدا تعالیٰ کی عنایت سے یہ دو اصل درُست وراست ہو گئے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ دُنیا اور آخرت کی سعادت حاصِل ہو گئی۔

جاننا چاہیئے کہ منامات وواقعات اِعتقاد اور اِعتبار کے لائق نہیں ہیں۔ اگر کسی نے خواب میں اپنے آپ کو بادشاہ دیکھا یا قطبِ وقت معلوم کیا تو حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ ہاں اگر خواب یا واقعہ کی حالت کے بغیر بادشاہ یا قطب ہو جائے تو مسلّم ہے پس جو احوال و مواجید بیداری اور افاقہ کی حالت میں ظاہر ہوں وُہ اِعتماد کے لائق ہیں ورنہ نہیں۔

سالکانِ طریقت اور اُن کی تربیّت

معلوم ہونا چاہیئے کہ اِس راستہ کے چلنے والے دو حال سے خالی نہیں ہیں۔ یا مُرید ہیں یا مُراد ہیں۔ اگر مُراد ہیں تو زہے قسمت ونصیب۔ جذب ومحبّت کی راہ سے ان کو اپنی طرف کھینچ لیں گے۔ اور وُہ اپنے مطلبِ اعلیٰ تک پہنچ جائیں گے۔ اور جو ادب اُن کو درکار ہے وسیلہ کے ساتھ یا بے وسیلہ اُن کو سکھا دیں گے۔ اور اگر کوئی لغزش ہو جائے گی اس پر جلد ان کو آگاہ کر دیں گے اور اس پر ان کو مواخذہ نہ کریں گے۔ اور ظاہر پیر کی حاجت ہو گی تو ان کی کوشش کے بغیر ان کو اِس دولت کی طرف رہنمائی کر دیں گے۔ غرض اللہ تعالیٰ کی عنایتِ ازلی

ان بزرگواروں کے شاملِ حال ہوتی ہے سبب کے ساتھ یا بے سبب اُن کا کام بن جاتا ہے وَاللّٰہُ یَجْتَبِیْ مَنْ یَّشَاءُ اللہ جس کو چاہتا ہے برگزیدہ کر لیتا ہے۔

اگر مُرید ہیں تو ان کا کام پیرِ کاملِ مکمّل کے وسیلہ کے سوا مشکل ہے ان کے واسطے ایسے پیر کی ضرورت ہے جو جذبہ اور سلوک کی دولت سے مشرّف ہُوا ہو اور فنا و بقا کی سعادت پائے ہُوئے ہو سیر اِلی اللہ، سیر فی اللہ اور سیر عن اللہ باللہ اور سیر فی الاشیاء باللہ کو پُورے طور پر سر انجام دیا ہو۔ اور اگر اس کا جذبہ سلوک پر مقدّم ہے اور مُرادوں کی خدمت میں تربیّت یافتہ ہے تو ایسا شخص کبریتِ احمر یعنی سُرخ گندھک (کیمیا) کی طرح ہے۔ اس کا کلام دوا اور اس کی نظر شفا ہے۔ اس کی توجّہ شریف کی برکت سے مُردہ دِل زندہ ہوتے ہیں اور اس کی اِلتفاتِ لطیف سے مُرجھائی ہُوئی جانیں تازہ ہوتی ہیں۔ اور اگر اِس قسم کا صاحبِ دولت نہ مِلے تو سالک مجذوب ہی غنیمت ہے وُہ بھی ناقصوں کی تربیّت کر سکتا اور فنا و بقا کی دولت تک پہنچا سکتا ہے ؎

آسماں نسبت بہ عرش آمد فرود		ورنہ بس عالی است پیشِ خاک تود

آسمان عرش کی نسبت بہت نیچے ہے لیکن زمین سے کئی درجے بلند ہے۔

اگر خدا تعالیٰ کی عنایت و مہربانی سے کسی طالب کو ایسا پیرِ کامل و مکمّل مل جائے تو چاہیئے کہ اس کے وجودِ پاک کو غنیمت سمجھے اور اپنے آپ کو ہمہ تن اس کے حوالہ کر دے اور اپنی سعادت کو اس کی رضامندی میں اور اپنی شقاوت اس کی ناراضگی میں جانے۔ غرض اپنی تمام خواہشوں اور ارادوں کو اس کی رضا اور خواہش کے تابع کر دے۔ حدیثِ نبوی ہے۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ۔

مُریدوں کے لِئے آداب

جاننا چاہیئے کہ صُحبت کے آداب و شرائط کو مدِّ نظر رکھنا طریقت کی ضروریات میں سے ہے۔ ورنہ صحبت و مجلس سے کوئی نتیجہ اور فائدہ حاصل نہ ہو گا۔ بعض ضروری آداب و شرائط

بیان کیئے جاتے ہیں۔ گوشِ ہوش سے سُننے چاہئیں۔
طالب کو چاہیئے کہ اپنے دِل کو تمام اطراف سے پھیر کر اپنے پیر کی طرف متوجّہ کرے اور پیر کی خدمت میں اس کی اِجازت کے بغیر نوافل و اذکار میں مشغول نہ ہو۔ اور اس کے حضور میں اس کے سوا کسی اَور کی طرف اِلتفات نہ کرے اور ہمہ تن اسی طرف متوجّہ ہو کر بیٹھا رہے۔ حتّٰی کہ ذِکر میں بھی مشغول نہ ہو جب تک کہ وُہ امر نہ کرے۔ اور نمازِ فرض وسُنّت کے سوا اس کے حضور میں اور کچھ نہ ادا کرے۔
نقل ہے کہ کسی بادشاہ کا وزیر اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اتفاقاً اسی اثناء میں وزیر نے اپنے کپڑے کی طرف اِلتفات کیا اور کپڑے کے بند کو درست کرنے لگا۔ بادشاہ نے جب وزیر کو اِس حال میں دیکھا تو جھڑک کر کہا کہ میں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ تو میرا وزیر ہو کر میرے حضور میں اپنے کپڑے کے بند کی طرف اِلتفات کرے۔ اس بات سے سوچنا چاہیئے کہ جب کمینی دُنیا کے وسائل کے لِئے چھوٹے چھوٹے آداب درکار ہیں تو وصُول اِلَی اللہ کے لِئے اِن آداب کا مدِّنظر رکھنا نہایت ہی ضروری ہو گا اور جہاں تک ہوسکے ایسی جگہ بھی کھڑا نہ ہو جہاں اس کا سایہ پیر کے کپڑے یا سایہ پر پڑے۔ اور اس کے مصلّے پر پاؤں نہ رکھے۔ اور اس کے وضوء کی جگہ پر طہارت نہ کرے اور اس کے خاص برتنوں کو اِستعمال میں نہ لائے۔ اور اس کے حضور میں پانی نہ پیئے۔ کھانا نہ کھائے اور کسی سے بات چیت نہ کرے۔ بلکہ اس کے سوا کسی جانب متوجّہ نہ ہو۔
اور پیر کی غیبت یعنی عدم موجُودگی میں جہاں وُہ رہتا ہے یعنی اس کے گھر یا مقام کی طرف پاؤں دراز نہ کرے اور تھوک وغیرہ اُس طرف نہ ڈالے۔ اور جو کچھ پیر سے صادر ہو اُس کو بہتر جانے اگرچہ بظاہر اچھّا معلوم نہ ہو۔ کیونکہ جو کچھ وُہ کرتا ہے اِلہام اور خدا کے حکم سے کرتا ہے کِسی قسم کا اِعتراض اُس پر جائز نہیں۔ اگرچہ بعض صورتوں میں اس کے الہام میں خطا کا ہونا ممکن ہے۔ مگر خطاءِ الہامی خطاءِ اِجتہادی کی مانند ہے۔ ملامت اور اِعتراض اس پر جائز نہیں نیز جب اُس کو اپنے پیر سے محبّت ہے تو محبوب سے جو کچھ صادر ہوتا ہے محبّ کی نظر میں محبُوب ہی دِکھائی

دیتا ہے پھر اعتراض کی کیا مجال ہے۔ کھانے، پینے، سونے اور طاعت کے چھوٹے بڑے امور میں اُسی کی اقتدار کرنی چاہیئے اور فقہ بھی اُسی کے طریقِ عمل سے سیکھنی چاہیئے ۔

آں را کہ در سرائے نگار است فارغ است
از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

یعنی جس کے اپنے گھر میں باغ موجود ہو اُس کو دوسروں کے باغ و لالہ زار کی سَیر کی کیا حاجت ہے۔

اور اس کی حرکات و سکنات پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرے۔ اگرچہ وُہ اعتراض رائی کے دانہ جتنا ہو۔ کیونکہ اعتراض سے سوائے مایوسی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور تمام خلقت میں سے بدبخت وُہ آدمی ہے جو اِس بزرگ گروہ کا عیب بین ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں اِس بلاءِ عظیم سے بچائے۔ آمین۔

اور اپنے پیر سے خوارق و کرامات طلب نہ کرے اگرچہ وُہ طلب خطرات و وساوس کے طریق پر ہو۔ کیا سُنا نہیں کہ کسی مومن نے پیغمبر سے معجزہ طلب نہیں کیا معجزہ طلب کرنا کُفّار و منکرین کا کام ہے ۔

مُعجزات از بہرِ قہرِ دشمن است — بُوئے جِنسیّت پئے دِل بُردن است
مُوجبِ اِیماں نباشد معجزات — بُوئے جنسیّت کند جذبِ صفات

اگر دل میں شبہ پیدا ہو تو بے توقّف عرض کر دے۔ اگر حل نہ ہو تو اپنا قصور سمجھے۔ اور پیر کی ذات میں کسی قسم کا نقصان نہ لگائے اور جو واقعہ ظاہر ہو پیر سے پوشیدہ نہ رکھے اور واقعات کی تعبیر اُسی سے طلب کرے اور جو تعبیر کہ طالب پر ظاہر ہو وُہ بھی عرض کر دے اور اس کا صواب و خطا اُسی سے طلب کرے اور اپنے کشف پر ہرگز اعتبار نہ کرے کیونکہ اس جہان میں حق باطل کے ساتھ اور صواب خطا کے ساتھ ملا جلا ہے۔ اور بے اِذن و بے ضرورت اس سے جُدا نہ ہو کیونکہ اس کے سوا کسی اور کو اس پر اختیار کرنا ارادت کے برخلاف ہے اور اپنی

آواز کو اُس کی آواز سے اُونچا نہ کرے اَور بلند آواز سے اُس کے ساتھ گفتگو نہ کرے کہ بے ادبی میں داخل ہے۔ اَور جو فیض و فتوح پہنچے اُس کو اپنے پیر ہی کے ذریعے تصوّر کرے۔ اَور اگر خواب کی حالت میں کسی اَور شیخ سے فیض ملے تو اُس کو بھی اپنے پیر ہی سے سمجھے اَور جان لے کہ جب شیخ تمام کمالات و فیوض کا جامع ہے مُرید کی خاص اِستعداد کے مناسب پیر کا خاص فیض اس شیخ کے کمال کے مناسب ہے جس سے یہ فیض ظاہر ہو کر مرید کو پہنچا ہے۔ اَور ان لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے کہ جن کے مناسب پیر فیض رکھتا ہے اَور اس شیخ کی صُورت میں ظاہر ہوا ہے۔ آزمائش اَور اِمتحان کی وجہ سے مُرید نے اِس لطیفہ کو دُوسرا شیخ خیال کیا ہے اَور فیض اُس سے سمجھا ہے۔ یہ بڑی غلطی ہے۔ خُدا تعالیٰ اس لغزش سے محفوظ رکھے اور رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طفیل پیشوا کی محبّت اَور اِعتقاد پر ثابت قدم رکھے مِثل مشہور ہے اَلطَّرِیْقُ کُلُّہٗ اَدَبٌ یعنی طریقت ادب ہی کا نام ہے۔ کوئی بے ادب خُدا تک نہیں پہنچا۔ اور اگر مُرید بعض آداب کے بجا لانے میں اپنے آپ کو قصُور وار جانے اَور کما حقّہٗ ان کو ادا نہ کر سکے اَور کوشش کرنے کے بعد بھی بجا نہ لا سکے تو وُہ قابلِ معافی ہے لیکن قصور کا اِقرار ضروری ہے۔ اَور اگر بپناہ بخدا آداب کی رعایت بھی نہ کرے اَور اپنے آپ کو قصور وار بھی نہ جانے تو وُہ ان بزرگوں کی برکات سے محروم ہے ؎

ہر کرا رُو بہ بہبُود نداشت
دِیدنِ رُوئے نبی سُود نداشت

جس کے نصیب میں بہتری نہ تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھنا اس کو کچھ فائدہ مند نہ ہوا۔ بزرگوں کا قول ہے۔ اَلشَّیْخُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ یعنی شیخ زِندہ کرتا ہے اَور مارتا ہے۔ احیاء اَور اماتت یعنی زِندہ کرنا اَور مارنا مقامِ شیخی کے لوازم میں سے ہے۔ زندہ کرنے سے مُراد رُوحانی زندگی ہے نہ کہ جِسمانی، اَور ایسے مارنے سے مُراد رُوحانی موت ہے۔ اَور رُوحانی موت وحیات سے مُراد فنا و بقا ہے جو مقامِ ولایت اَور کمال تک پہنچاتا ہے۔ اَور شیخ مقتدا اللہ تعالیٰ کے حکم

سے ان دو امُور کا متکفّل ہے۔ پس شیخ کے لئے یہ احیاء۔ و اماتت ضروری ہے۔ جسمانی احیاء و اماتت کو مرتبہ شیخی سے کچُھ واسطہ نہیں ہے۔ شیخ مقناطیس کہربا کا حکم رکھتا ہے۔ جس کسی کو اس سے نسبت ہو وُہ خس و خاشاک کی مانند اس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے اور اپنا حصّہ اس سے پالیتا ہے۔ خوارق و کرامات مُریدوں کے جذب کرنے کے لئے نہیں ہیں۔ مُرید رُوحانی مناسبت سے کھچے آتے ہیں۔ اور جو شخص اِن بزرگوں سے نسبت نہیں رکھتا وُہ ان کے کمالات کی دولت سے محروم رہتا ہے اگرچہ ہزار معجزہ و کرامات دیکھے۔ ابُوجہل و ابُوطالب کا حال اسی مضمون کے مِصداق ہے۔ خدا تعالیٰ کفّار کے حق میں فرماتا ہے۔ وَاِنۡ یَّرَوۡا کُلَّ اٰیَۃٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡا بِہَا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡکَ یُجَادِلُوۡنَکَ یَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ۝ اگر وُہ دیکھ لیں ہر ایک نشانی بھی تو نہیں ایمان لائیں گے ان کے ساتھ۔ یہاں تک کہ جب حاضر ہوں آپ کے پاس جھگڑتے ہُوئے آپ سے (تو) کہتے ہیں وُہ لوگ جنھوں نے کُفر کیا کہ نہیں یہ (قرآن) مگر جھوٹے قِصّے پہلے لوگوں کے۔

پیر کا مرتبہ اور حق

جاننا چاہیئے کہ پیر کے حقوق تمام حق داروں کے حقوق سے بڑھ کر ہیں بلکہ حق سُبحانہٗ و تعالیٰ کے اِنعامات اور رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے احسانات کے بعد جو سب کے پیرِ حقیقی ہیں دُوسروں کے حقوق کو پیر کے حقوق سے کچھ نسبت نہیں ہے۔ وِلادتِ جسمانی ہر چند والدین سے ہے لیکن ولادتِ حقیقی و رُوحانی پیر سے مخصُوص ہے۔ ولادتِ جسمانی کے لئے چند روزہ زندگی ہے اور ولادتِ رُوحانی کی زندگی ابدی ہے۔ وُہ پیر ہی ہے جو مُرید کی باطنی نجاستوں کو اپنے قلب و رُوح کی توجّہ سے دُور کر کے اس کے باطن کو پاک و صاف کر دیتا ہے۔ بسا اوقات توجّہ میں جو بعض مُریدوں کی نسبت واقع ہوتی ہے محسُوس ہوتا ہے کہ اُن کی باطنی نجاستوں کے پاک کرنے میں صاحبِ توجّہ کے باطن میں بھی آلودگی آ جاتی ہے۔ اور کچھ دیر

تک ان کو مکدّر رکھتی ہے۔ پیری کے ذریعے خدا تک پہنچ جاتے ہیں۔ جو تمام دینی اور دُنیاوی سعادتوں سے اعلیٰ و افضل ہے۔

پیر ہی کے وسیلہ سے نفسِ امّارہ جو بالذّات خبیث ہے پاک و صاف ہو کر مقامِ امّارگی کو چھوڑ کر مقامِ اطمینان تک پہنچ جاتا ہے۔ اور کفرِ طبعی کو چھوڑ کر حقیقی اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔

گر بگویم شرحِ ایں بے حد شود

اگر اس کی شرح کروں تو بے حد ہو جائے

پس اپنی سعادت کو پیر کے قبول میں اور اپنی شقاوت کو اُس کے ردّ میں جاننا چاہیئے۔ خُدا تعالیٰ کی رضامندی پیر کی رضامندی میں پوشیدہ ہے۔ جب تک مُرید اپنے آپ کو پیر کی رضامندی میں گم نہ کر دے خدا تعالیٰ کی رضامندی تک نہیں پہنچتا۔ مُرید کی آفت پیر کے آزار میں ہے اور سب لغزشوں کا تدارک ممکن ہے لیکن پیر کی آزار کا تدارک نہیں ہو سکتا۔

پیر کا ستانا مُرید کے لیئے بدبختی کی جڑ ہے اور اس کا ثمرہ اور نتیجہ یہ ہے کہ اس کے اسلامی عقائد میں خلل اور احکامِ شرعی کے بجالانے میں فتور واقع ہو جاتا ہے۔ احوال و مواجید کی نسبت جو باطن سے تعلق رکھتے ہیں کیا بیان کیا جائے۔ احوال کا اثر جو پیر کی آزار کے بعد باقی رہے اُس کو استدراج جاننا چاہیئے۔ جس کا انجام خراب ہو کر سوائے ضرر کے اس کو کچھ نتیجہ نہ دے گا۔

اولیاء اللہ ضروریاتِ انسانی میں عام لوگوں کے مانند ہیں

اولیاء اللہ کے لیئے اُن کی صفاتِ بشریہ پردہ ہیں۔ جن چیزوں کی طرف اور تمام لوگ محتاج ہیں یہ بزرگوار بھی ویسے ہی محتاج ہیں۔ ان کا ولی ہو جانا ان کو اس احتیاج سے نہیں نکالتا اور ان کا غضب بھی اور لوگوں کے غضب کی مانند ہے۔ جب جناب سیّد الانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی نسبت فرماتے ہیں کہ اَغْضِبُ کَمَا یَغْضِبُ الْبَشَرُ۔ مجھے بھی ویسا ہی غصّہ آتا ہے جیسے عام انسان کو، تو پھر اولیاء اللہ کا کیا حال ہے۔ ایسے ہی یہ بزرگوار کھانے پینے اور اہل و عیال

کے ساتھ رہنے سہنے میں اور تمام لوگوں کے ساتھ شریک ہیں۔ چند تعلّقات جو لوازمِ بشریّت سے ہیں خاص و عام سے دُور نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے بارے میں فرماتا ہے وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ۔ ہم نے اُن کے ایسے جسم نہیں بنائے جو طعام نہ کھائیں۔ اور کفّارِ ظاہر بین اُن کے حق میں یہ کہتے تھے۔ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ۔ اس رسُول کو کیا ہے جو کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

پس جس نے اہل اللہ کے ظاہر پر نظر ڈالی وُہ محرُوم ہو گیا اور دُنیا و آخرت کا گھاٹا اس کو نصیب ہوا۔ اسی ظاہر بینی نے ابُوطالب و ابُوجہل کو اِسلام کی دولت سے محروم رکھا۔ اور ہمیشہ کے گھاٹے میں ڈال دیا۔ سعادت مند وُہی ہے جس کی نظر اہل اللہ کی ظاہر بینی سے کوتاہ ہو گئی اور اُس کی نظر ان بزرگوں کی صفاتِ باطنی پر پڑ کر اُن کے باطن پر لگی رہی۔ فَهُمْ كَنِيْلِ مِصْرَ بَلَاءٌ لِّلْمَحْجُوْبِيْنَ وَمَاءٌ لِّلْمَحْبُوْبِيْنَ۔ پس وُہ مِصر کے دریائے نِیل کی طرح ہیں یعنی محجُوبوں کے لِئے بَلا اور دوستوں کے لِئے پانی۔ عجب معاملہ ہے کہ صفاتِ بشری جس قدر اہل اللہ میں ظاہر ہوتی ہیں اور لوگوں پر ظاہر نہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صاف و ہموار جگہ پر تھوڑی سی ظلمت و کدورت بھی اُس بہت سی ظلمت و کدُورت کی نسبت جو ناہموار اور غیر مصفّا مقام پر پڑی ہے بہت دِکھائی دیتی ہے۔ لیکن صفاتِ بشریّت کی ظلمت عوام میں کلّی طور پر سرایت کِئے ہوتی ہے اور قالب و قلب و رُوح میں پھیلی ہوتی ہے اور خواص میں یہ ظلمت صرف قالب اور نفس تک ہی محدُود ہوتی ہے اور اخصّ الخواص میں تو نفس بھی اِس ظلمت سے پاک ہے صرف قالب میں ہی ہوتی ہے۔ نیز یہ ظلمت عوام میں نقصان و خسارت کا باعث ہے اور خواص میں کمال اور تازگی کا مُوجب ہے۔ خواص کی یہی ظلمت عوام کی ظلمت کو دُور کر کے اُن کے قلب کو تصفیہ اور نفس کو تزکیہ بخشتی ہے۔ اگر یہ ظلمت نہ ہوتی تو خواص کو عوام سے کچھ نسبت نہ ہوتی اور افادہ و استفادہ کا راستہ بند ہو جاتا۔ اور یہ ظلمت خواص میں اس قدر

نہیں ٹھہرتی کہ اُن کو مکدّر کر دے بلکہ ندامت و استغفار جو اس کے پیچھے اُن کو حاصل ہوتی ہے
وُہ اَور بہت سی ظلمت و کدُورت کو بھی دُور کر دیتی ہے اَور ترقی بخشتی ہے۔ یہی ظلمت ملائکہ
میں گُم ہے جس کے باعث اُن کی ترقی کا راستہ بند ہے ظلمت کا اِسم اس پر مدح بمایشبہ الذّم
کی طرح ہے۔ عوام جاہل، اہل اللہ کی صفاتِ بشریّت کو اپنی صفاتِ بشریّت کی طرح جانتے ہیں
اَور محروم و خوار رہتے ہیں۔ غائب کا قیاس حاضر پر فاسد ہے۔ ہر مقام کے لِئے علیحدہ خصوصیتیں
اَور ہر محل کے لِئے جُدا لوازم ہیں۔

اِلٰہی یہ کیا ہے جو تُو نے اپنے دوستوں کو عطا فرمایا ہے کہ اُن کا باطن تو خِضر کا آبِ حیات
ہے کہ جس نے ایک قطرہ اس سے چکھا اُس نے ہمیشہ کی زندگی پائی۔ اَور ان کا ظاہر سمِّ قاتل ہے،
کہ جس نے ایک نظر اُن کے ظاہر پر ڈالی ہمیشہ کی موت میں گر فتار ہو گیا۔ یہ وُہ لوگ ہیں کہ
ان کا باطن رحمت ہے اَور ان کا ظاہر زحمت ہے۔ ان کے باطن کی طرف دیکھنے والا انہی میں
سے ہے اَور ان کے ظاہر کو دیکھنے والا بدکرداروں میں سے ہے۔ ظاہر میں جَو نُما ہیں۔ لیکن
حقیقت میں گندم بخش ہیں۔ ظاہر میں عام اِنسانوں کی مانند ہیں اَور باطن میں خاص فرشتوں کی
طرح ہیں۔ ظاہر میں تو زمین پر ہیں لیکن باطن میں آسمان پر۔ ان کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا اَور
ان کا یار سعادت مند ہے۔ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔
یہی لوگ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے۔ خبردار رہو یہی اللہ کا گروہ خلاصی یافتہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اَولیاء اللہ کو اِس طرح پوشیدہ کیا ہے کہ اُن کا ظاہر اُن کے باطنی کمالات
کی نسبت کچھ خبر نہیں رکھتا۔ تو پھر اُن کے دُشمنوں کا کیا حال ہے۔ اُن کی باطنی نسبت بھی جو مرتبہ
بے چُونی اَور بے چگونگی سے حاصل ہوئی ہے بے چُون ہے۔ ان کا باطن عالمِ امر سے ہے۔ اس
کو بھی بے چُونی سے حصّہ حاصل ہے۔ اَور ظاہر جو سراسر چُوں ہے اس کی حقیقت کو کیا معلوم کر
سکتا ہے۔ بلکہ ممکن ہے کہ جہل اَور مناسبت کے نہ ہونے کی وجہ سے اِس نسبت کے نفسِ حصُول
سے اِنکار کر دے۔ اَور ہو سکتا ہے کہ نسبت کے نفسِ حصُول کو جان لے لیکن یہ نہیں جان سکتا

کہ اس کا متعلّق کون ہے۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اُس کے حقیقی متعلق کی نفی کر دیتا ہے اِس کی وجہ یہی ہے کہ وُہ نسبت نہایت اعلیٰ ہے اَور ظاہر اس سے بہت ہی ادنیٰ اَور پست ہے۔ اَور باطن خود اِس نسبت کا مغلوب ہے اَور اپنی دِید و دانش سے گیا گذرا ہے۔ وُہ کیا جانتا ہے کہ مجھے کیا حاصل ہے اَور کِس سے تعلّق ہے۔ پس معلوم ہوَا کہ معرفت سے عجز کے سِوا معرفت کی طرف اَور کوئی راستہ نہیں۔ اِسی واسطے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ۔ اِدراک کے حاصل کرنے سے عاجزی ظاہر کرنا اِدراک ہے نفسِ اِدراک نِسبتِ خاصہ سے مُراد ہے کہ جس کے ادراک سے عجز لازم ہے کیونکہ صاحبِ ادراک مغلوب ہوتا ہے۔ وُہ اپنے ادراک کو نہیں جانتا اَور دُوسرا اس کے حال کو نہیں جانتا جیسے کہ ذِکر ہوَا۔

ایک شخص صُوفیوں کے لباس میں ہوکر بدعت و بداِعتقادی میں مُبتلا تھا اَور فقیر کو اس کے حق میں تردّد تھا۔ اِتفاقاً دیکھتا ہُوں کہ تمام انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام جمع ہیں اَور سب کے سب یک زبان ہوکر اُس شخص کے حق میں فرماتے ہیں کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اُسی وقت دِل میں گذرا کہ ایک اَور شخص[1] کی نِسبت بھی جس کے حق میں فقیر کو تردّد تھا دریافت کرے۔ اُس کے حق میں فرمایا کہ وُہ ہم میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے طعن اَور بداِعتقادی سے بچائے۔

سالکانِ طریقت کے لِئے نصیحت

ہم فقیروں پر لازم ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں ہمیشہ ذلیل و محتاج و عاجز اَور زاری و التجا کرتے رہیں۔ بندگی کے وظائف کو بجالائیں۔ حدُودِ شرعیہ کی اچھی طرح محافظت اَور سُنّتِ نبوی کی بخوبی متابعت کریں نیکیوں کے حاصل کرنے میں نیّت درست رکھیں۔ باطن میں اخلاص اَور

---

[1] اِس سے مُراد حضرت مجدّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی ذات ہے۔

ظاہر میں تسلیم ہو۔ اپنے عیوب کو دیکھتے رہیں اور گناہوں کی کثرت کا مشاہدہ کرتے رہیں۔ خدا تعالیٰ کے انتقام کا خوف دِلوں پر غالب رہے۔ اپنی نیکیوں کو بہت تھوڑا سمجھیں اگرچہ بہت ہوں اور اپنی بُرائیوں کو بہت جانیں اگرچہ تھوڑی ہوں اور خلقت کی قبولیّت اور شہرت سے ڈرتے رہیں۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ آدمی کے لِئے اِتنا ہی شر کافی ہے کہ دِین و دُنیا میں انگشت نما ہو جائے مگر جس کو اللہ تعالیٰ محفُوظ رکھے۔

اپنے افعال اور نیّتوں کو قاصر و کوتاہ سمجھیں اگرچہ وُہ صبح کی سفیدی کے مانند ہوں اور احوال و مواجید کی کچھ پرواہ نہ کریں اگرچہ صحیح و مطابق ہوں۔ صرف دین کی تائید اور مذہب کی تقویّت اور شریعت کے رواج دینے اور خلق کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت کرنے سے کبھی پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے اور نہ اس کو اچھا سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ اِس قِسم کی تائید بسا اوقات کافر و فاجر سے بھی ہو سکتی ہے۔ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اِس دین کو فاجر آدمی سے ترقی دے گا۔

وُہ مُرید جو طلب کے لِئے آئے اور مشغولی کا اِرادہ کرے اُس کو ببرّ اور شیر کی مانند جاننا چاہیئے کہ ایسا نہ ہو اسی وجہ سے اس کی خرابی مطلوب ہو اور اس کو اِستدراج ظاہر ہو۔ اور اگر بالفرض مُرید کے آنے میں خوشی اور سرُور لاحق ہو اس کو کفر اور شرک جانیں۔ ندامت و استغفار سے اس کا ایسا تدارک کریں کہ اس سرُور کا کوئی اثر نہ رہے بلکہ بجائے خوشی کے غم و خوف پیدا ہو۔ اور اِحتیاط رکھیں کہ مُرید کے مال اور دُنیاوی منافع میں طمع و توقّع پیدا نہ ہو کہ یہ امر مُرید کے رُشد و ہدایت کا مانع اور پیر کے لِئے خرابی کا باعث ہے کیونکہ وہاں تو دینِ خالص طلب کرتے ہیں۔ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ۔ خبردار دین خالص اللہ ہی کے لِئے ہے۔ شرک کو اِس بارگاہ میں کچھ گنجائش نہیں ہے۔ اور جان لیں کہ ہر قسم کی ظلمت و کدُورت جو دُنیا کمینی کی محبّت کی وجہ سے دِل پر طاری ہو کہ اس کو خراب و گندہ کر دیتی ہے اس کا دُور کرنا نہایت ہی دُشوار ہے۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے کہ حُبُّ الدُّنیا رَأسُ کُلِّ خَطِیئَۃٍ۔
دُنیا کی محبت سب گناہوں کی سردار و جڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب لوگوں کو دُنیا اور دُنیا داروں کی محبت اور اُن کے ساتھ ملنے جلنے اور بیٹھنے اُٹھنے سے بچائے۔ کیونکہ یہ زہرِ قاتل، مرضِ مہلک اور بلاءِ عظیم ہے۔

دُنیا کی حقیقت

دُنیا ظاہر میں شیریں ہے اور صُورت میں تازگی رکھتی ہے اور حقیقت میں زہرِ قاتل، متاعِ باطل اور بے ہُودہ گرفتاری ہے۔ اِس کا مقبول خوار اور اِس کا عاشق مجنُون ہے اِس کا حکم اُس نجاست کا سا ہے جو زر میں منڈھی ہُوئی ہو۔ اور اس کی مثال اُس زہر کی سی ہے جس میں شکر ملی ہو عقلمند وُہ ہے جو اِس کھوٹے اسباب پر فریفتہ نہ ہو۔
داناؤں نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص وصیّت کرے کہ میرا مال زمانہ میں سے عقل مند کو دے دیں تو زاہد کو دینا چاہیئے کہ دُنیا سے بے رغبت ہے اور اس کی وُہ بے رغبتی کمال دانائی سے ہے۔

نفسِ امّارہ کی حقیقت اور احکامِ شرعی کی غرض اور تزکیۂ نفس

انسان کا نفسِ امّارہ حُبّ جاہ اور ریاست پر پیدا ہوا ہے اور وُہ یہی چاہتا ہے کہ اس کو ہمسروں پر بڑائی حاصل ہو اور وُہ بالذّات اِس بات کا خواہاں ہے کہ سب خلقت اس کی محتاج اور اس کے امر و نہی کے تابع ہو جائے اور خود کسی کا محتاج اور کسی کا محکوم نہ ہو۔ اُس کا یہ دعوٰی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکت اور الوہیّت ہے۔ بلکہ وُہ بے سعادت شرکت پر بھی راضی نہیں ہے اور چاہتا ہے کہ صرف اُسی کا حکم ہو اور سب کے سب اسی کے محکوم ہو جائیں۔
حدیثِ قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے نفس کو دُشمن جان وُہ میری دشمنی

پر قائم ہے پس جاہ و ریاست اور بڑائی و تکبّر وغیرہ اس کی خواہشوں کے حاصل کرنے میں نفس کی تربیّت کرنی حقیقت میں خدا تعالیٰ کی دُشمنی میں اس کی امداد کرنا اور تقویّت دینا ہے۔ اس امر کی بُرائی اچھی طرح معلوم کرنی چاہیئے۔

حدیثِ قدُسی میں وارد ہے کہ تکبّر میری چادر اور عظمت میرا کپڑا ہے پس جس نے ان میں سے کسی ایک میں میرے ساتھ جھگڑا کیا اس کو دوزخ میں داخل کردوں گا۔ اور مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ خدا تعالیٰ نے دُنیا کو جو ملعُون و مردُود فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ دُنیا کا حاصل ہونا نفسانی خواہشات کے حاصل ہونے میں مدد دیتا ہے۔ پس جو کوئی دُشمن کی مدد کرے وُہ لعنت کے لائق ہے۔ اور فقر جناب رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کا فخر ہے۔ کیونکہ فقر میں نفس کی نامُرادی اور عاجزی ہے۔ انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی پیدائِش سے مقصود اور شرعی تکلیفات میں حکمت یہی ہے کہ نفسِ امّارہ عاجز اور مطیع ہو جائے۔ جس قدر شرِیعت کے موافق عمل کریں اُسی قدر نفسانی خواہشیں زائِل ہوتی ہیں پس احکامِ شرعی میں سے ایک حکم کا بجالانا نفسانی خواہشوں کے دُور کرنے میں ان ہزار سالہ ریاضتوں اور مجاہدوں سے بہتر ہے جو اپنے پاس سے کِئے جائیں۔ بلکہ ایسی ریاضتیں اور مجاہدے جو شریعت کے موافق نہ کِئے جائیں خواہشاتِ نفسانی کو تائید اور تقویّت دینے والے ہیں۔ برہمنوں اور جوگیوں نے ریاضتوں اور مجاہدوں میں کمی نہیں کی لیکن ان کو کچھ فائدہ نہ ہُوا اور سوائے نفس کی تربیت اور تقویّت کے ان سے کچھ ظاہر نہ ہُوا۔

زکوٰۃ کے طور پر جس کا شریعت نے حکم کیا ہے ایک دام کا ادا کرنا نفس کے ذلیل کرنے میں اپنی طرف سے ہزار دینار کے خرچ کر دینے سے بہتر ہے۔ اور شریعت کے موافق عیدُ الفطر کے دن طعام کھانا خواہش کے دُور کرنے میں اپنی طرف سے کئی سال صائم رہنے سے زیادہ فائدہ بخش ہے۔ اور صبح کی دو رکعت نماز کو سُنّت کے موافِق جماعت کے ساتھ ادا کرنا اس بات سے کئی درجے بہتر ہے کہ تمام رات نماز نفل میں قیام کرے اور صبح کی نماز بے جماعت

ادا کرے۔ غرض جب تک نفس کا تزکیہ نہ ہو جائے اور برتری و سرداری کے مالیخولیا کی پلیدی سے پاک و صاف نہ ہو لے تب تک نجات محال ہے۔ اِس مرض کو دُور کرنے کی فکر کرنی چاہیئے تاکہ موتِ ابدی تک نہ پہنچا دے۔ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جو انفسی اور آفاقی معبُودوں کی نفی کے لِئے موضوع ہے نفس کے تزکیہ کرنے کے لِئے نہایت ہی نافع اور فائدہ مند ہے۔ بزرگانِ طریقت قدّس سرّہم نے تزکیۂ نفس کے لِئے اِسی کلمۂ طیّبہ کو اختیار کیا ہے ؎

تا بجاروب لَا نروبی راہ
نہ رسی در سرائے اِلَّا اللّٰہ

یعنی جب تک تُو لَا کے جھاڑو سے راہ کو صاف نہ کر لے تب تک تُو اِلَّا اللّٰہ یعنی اثبات کے مقام تک نہیں پہنچے گا۔ غرض جب تک نفس سرکشی کرے اور عہد کو توڑ دے اِس کلمہ کے تکرار سے اِیمان کو تازہ کرنا چاہیئے۔

رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ بِقَوْلِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے اپنے اِیمان کو تازہ کرو۔ بلکہ ہر وقت اس کا تکرار ضروری ہے۔ کیونکہ نفسِ امّارہ ہمیشہ خبث میں ہے اور اس کلمہ کی فضیلت میں حدیث وارد ہے کہ اگر آسمان و زمین کو ایک پلّہ میں اور اس کلمہ کو دُوسرے پلّہ میں رکھیں تو کلمہ والا پلّہ دُوسرے پلّہ سے بھاری ہوگا

اِتّباعِ سُنّتِ نبوی کی فضیلت

خُداوند تعالیٰ ہم بے سروسامان مفلسوں کو سیّد الاوّلین والآخرین (جن کی دوستی کی طفیل اُس نے اپنے ذاتی وصفاتی کمالات کو ظاہر فرمایا اور ان کو اپنی تمام مخلوقات میں سے بہتر بنایا) کے اِتّباع کی دولت سے مشرّف فرمائے اور اس پر اِستقامت بخشے۔ کیونکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذرا بھر متابعت دُنیا کی تمام لذّتوں اور عقبیٰ کی تمام نعمتوں سے کئی درجہ بہتر ہے فضیلت و بزرگی سُنّت کی تابعداری اور احکامِ شرعی کے بجالانے میں منحصر ہے مثلاً دوپہر کا

سونا سُنّت کی متابعت کی رُو سے کروڑ ہا شب بیداریوں سے جو اس متابعت کے مخالف ہوں اولیٰ و افضل ہے۔ ایسے ہی عیدِ فطر کے دن کھانا جس کا شریعت نے حکم دیا ہے شریعت کے مخالف صائم الدّہر رہنے سے بہتر ہے۔ شارع علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حکم سے ایک درم خرچ کرنا اپنی مرضی سے سونے کا پہاڑ خرچ کر دینے سے بہتر ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز جماعت سے ادا کر کے یاروں کی طرف نگاہ کی۔ ایک آدمی کو ان میں موجود نہ پایا۔ اس کی نسبت دریافت فرمایا۔ یاروں نے عرض کیا کہ وُہ شخص تمام رات بیدار رہتا ہے شاید اس وقت سو گیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وُہ تمام رات سویا رہتا اور صبح کی نماز جماعت سے ادا کرتا تو یہ اس کے حق میں بہتر ہوتا۔

گمراہ لوگوں نے ریاضتیں اور مجاہدے بہت کئے ہیں لیکن چونکہ وُہ شریعتِ حقّہ کے موافق نہیں ہیں بے اعتبار اور خوار ہیں۔ اگر بالفرض ایسے سخت اعمال پر کوئی فائدہ مترتّب ہو بھی جائے تو اس سے کوئی دنیاوی نفع ہی مقصود ہے اور تمام دُنیا کیا ہے کہ اس کے کسی نفع کا اعتبار کیا جائے۔ ان کی مثال خاکروبوں کی سی ہے کہ اُن کی محنت و ریاضت سب سے زیادہ ہے اور اُجرت سب سے کم۔ اور شریعت کے تابعداروں کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو نفیس موتیوں میں قیمتی الماس جڑتے ہیں کہ کام تھوڑا اور اُجرت بہت زیادہ ہے۔ ایک گھنٹہ کے کام کی اُجرت کئی ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔ اس میں بھید یہ ہے کہ جو عمل شریعت کے موافق ہو وُہ خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول اور پسندیدہ ہے اور جو عمل شریعت کے موافق نہ ہو اس میں خدا تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔ اور خلافِ مرضی کام کرنے میں ثواب کیا بلکہ عذاب کی اُمید ہے۔ یہ بات تو اس جہان میں بھی پائی جاتی ہے۔ دُنیا کے کاروبار میں تھوڑی التفات کرنے سے اس بات کا پتہ لگ جاتا ہے ؎

ہر چہ گیرد عِلّتی عِلّت شود کُفر گیرد کاملے مِلّت شود

جو کچھ عِلّتی اختیار کرے اوروں کے لئے حجّت ہوتا ہے اور اگر کامل کُفر اختیار کرے

تو وہی اَوروں کا مذہب بن جاتا ہے۔

پس سُنّت کی متابعت تمام سعادتوں کا سرمایہ اَور سُنّت کی مخالفت تمام فسادوں کی جڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلّم کی متابعت پر ثابت قدم رکھے اَور ان کی مخالفت سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

صُوفیوں کے غیر شرع کلمات کی اصلیّت اَور تصوّف کا مقصُود

صُوفیوں کے شطحیات اَور ترہات سے کیا ظاہر ہو سکتا ہے اَور اُن کے احوال سے کیا ترقّی ہو سکتی ہے۔ وجد وحال کو جب تک شرع کی میزان پر نہ تولیں نیم جیتل سے بھی نہیں خریدتے اَور کشف و الہامات کو جب تک کتاب وسُنّت کی کسوٹی پر نہ گھِس لیں نیم جَو کے برابر بھی پسند نہیں کرتے طریقِ سلوک سے مقصود یہ ہے کہ شرعی عقائد میں جو ایمان کی حقیقت ہیں، یقین زیادہ مضبُوط ہو جائے اَور احکامِ فقہ کے ادا کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے سوا اَور کچھ مقصود نہیں کیونکہ رویت یعنی خدا تعالیٰ کے دیدار کا وعدہ آخرت میں ہے دُنیا میں کسی کو حاصل نہیں، وُہ مشاہدات وتجلّیات جن پر صوفیہ خوش ہیں ظِلّی ہیں اَور شبہ ومثال کے طور پر ہیں۔ جن پر تسلّی کیئے بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وراء الورا ہے۔

عجب معاملہ ہے اگر ان کی تجلّیات اَور مشاہدات کی حقیقت کو کما حقہٗ بیان کیا جائے تو ڈر لگتا ہے کہ مبتدیوں کی طلب میں فتور اَور ان کے شوق میں قصور پڑ جائے۔ اَور ساتھ ہی اس بات کا بھی خوف ہے کہ اگر باوجود علم کے کچُھ بھی نہ کہا جائے تو حق سے باطل مِلا رہے گا۔

غلبۂ حال کے ظہور سے پہلے اِسلام اَور کفر کے درمیان تمیز نہ کرنا جس طرح اہلِ شریعت کے نزدیک کُفر ہے ویسے ہی اہلِ حقیقت کے نزدیک کُفر ہے۔ اگر اہلِ شریعت اور اہلِ حقیقت کے درمیان کچھ اختلاف ہے تو غلبۂ حال کی صورت میں ہے جیسے منصُور حلّاج کہ مغلوب الحال تھے اہلِ شریعت نے اُن پر کُفر کا فتویٰ دیا نہ کہ اہلِ حقیقت نے۔ لیکن اہلِ حقیقت کے نزدیک

نقصان ضرور اس کی طرف عائد ہوتا ہے۔ اہلِ حقیقت اُس کو کاملوں میں نہیں گنتے اور حقیقی مسلمانوں میں سے نہیں جانتے۔ منصور کا یہ شعر ان کے حال کا شاہد ہے ؎

کَفَرْتُ بِدِیْنِ اللّٰہِ وَالْکُفْرُ وَاجِبٌ
لَدَیَّ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِیْنَ قَبِیْحٌ

یعنی مَیں اللہ کے دین سے کافر ہؤا اور میرے نزدیک کفر واجب ہے اور مسلمانوں کے نزدیک بُرا ہے۔

غرض غلبۂ حال کے ظاہر ہونے سے پہلے صاحبانِ حال کی تقلید کرنا اور تمیز نہ کرنا بے تمیزی ہے اور شریعت و حقیقت میں اِلحاد و زِندقہ اور کفر ہے۔

خُدا تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس قسم کی بیہودہ اور لغو تقلیدوں سے بچائے۔

تقلید کے لائق علومِ شرعیہ ہیں۔ ہمیشہ کی نجات حنفی و شافعی کی تقلید میں ہے۔ جنید و شبلی کے اقوال دو مصلحتوں کے لئے کام آتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ احوال ظاہر ہونے سے پہلے ان کے اقوال سُننا ان احوال کی طرف شوق بخشتا اور اُمنگ پیدا کرتا ہے۔ اور دُوسرے یہ کہ احوال کے ظاہر ہونے کے بعد انہی اقوال کو اپنے احوال کا مصداق بنا لیتے ہیں۔ ان دو مصلحتوں کے بغیر ان اقوال کو جاننا اور ان میں غور کرنا منع ہے اور اس میں بہت ضرر متصوّر ہے۔ جہاں ضرر کا گمان ہو عقلمند وہاں قدم نہیں رکھتے پس وہاں کیوں جائیں جہاں ضرر کا ظنّ غالب ہو۔

قطبِ ابدال اور قطبِ ارشاد

قطب ابدال ان فیوض کے پہنچنے کا واسطہ ہے جو جہان کے وجُود اور اس کی بقا سے تعلّق رکھتے ہیں۔ اور قطب ارشاد ان فیوض کے حصُول کا واسطہ ہے جو جہان کی ہدایت اور ارشاد کے متعلّق ہیں پس خلقت کا ہونا، رزق کا ملنا، آفات و امراض کا رفع ہونا اور صحت و عافیت کا حاصل ہونا ان فیوض پر وابستہ ہے جو قطبِ ابدال کے ساتھ مخصوص ہیں اور ایمان و ہدایت،

نیکیوں کی توفیق اور برائیوں سے توبہ کرنا قطبِ ارشاد کے فیوض کا نتیجہ ہے۔

قطبِ ابدال ہر وقت اپنے کام میں ہے اور جہان کا اس سے خالی ہونا متصور نہیں۔ کیونکہ جہان کا انتظام اس کے متعلق ہے۔ اگر افرادِ قطب میں سے ایک مر جاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ مقرر ہو جاتا ہے لیکن قطبِ ارشاد کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ موجود ہو۔ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت جہان ایمان و ہدایت سے بالکل خالی ہو جائے اور درجۂ ولایت حاصل کرنے کے بعد ان اقطاب کے افراد میں کمال کے موافق فرق ہے۔

قطبِ ارشاد میں سے فردِ اکمل جناب خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے قدم پر ہے۔ اور اس فرد کے کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال کے مطابق ہیں۔ فرق صرف اصالت و تبعیت کا ہے۔ جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقت میں قطبِ ارشاد تھے۔ اور خواجہ اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی وقت میں قطبِ ابدال تھے۔

قطب سے جہان میں فیض پہنچنے کا طریق یہ ہے کہ قطبِ جامعیتِ حاصلہ کی وجہ سے مبدءِ فیاض کے لئے صورت اور ظل کی مانند ہے اور تمام جہان اسی قطبِ جامع کی تفصیل ہے پس فیض حقیقت سے صورت کی طرف بے تکلف آتا ہے۔ اور صورت جامع سے جہان میں جو اسی کی تفصیل ہے بے تحاشا فیض پہنچتا ہے پس فیاض مطلق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور واسطہ کو فیض کے پہنچنے میں کچھ دخل نہیں بلکہ اکثر ایسا ہے کہ واسطہ کو اس فیض سے آگاہی نہ ہو۔ از ما و شما بہانہ ساختہ اند

اگر کوئی کہے کہ ایمان و ہدایت عام خلقت کو حاصل نہیں پس قطبِ ارشاد کے فیض عام نہ ہوئے بلکہ ہدایت اور ایمان والوں پر ہی مخصوص ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں پھر قطبِ ارشاد کے کیا معنی ہوئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ مبدءِ فیاض سے فائض ہوتا ہے اور تفصیل پاتا ہے سب کچھ خیر و برکت اور ایمان و ہدایت ہے۔ شر و نقص کو اس میں گنجائش نہیں۔ خواہ وہ فیض اہلِ شقاوت کو پہنچے خواہ اہلِ سعادت کو لیکن وہی ارشاد و ہدایت

اہلِ فساد میں مقامِ گندگی کے باعث گمراہی اور شرارت پیدا کرتی ہے۔ جس طرح عمدہ غذا مریض میں اس کے مزاج کے فاسد ہونے کی وجہ سے اخلاطِ ردّی اور مُہلک امراض کا مادہ بن جاتی ہے۔ اہلِ فساد میں بھی وُہی ہدایت ان کی دِلی امراض کی وجہ سے گمراہی پیدا کر دیتی ہے۔ کَنِیْلِ مِصْرٍ مَاءٌ لِّلْمَحْبُوْبِیْنَ وَبَلَاءٌ لِّلْمَحْجُوْبِیْنَ۔ دریائے نیل کی طرح جو دوستوں کے لِئے پانی اور دُشمنوں کے لِئے بلا ہے یعنی قبطی کو وُہ خون معلوم ہوتا ہے اور اس کا یہ خون دکھائی دینا اُس کے اپنے خُبثِ باطن کے سبب سے ہے۔ ورنہ پانی تو صاف ہے اس میں کوئی فساد نہیں۔ صفراوی مزاج والے کو جو شیرینی تلخ معلوم ہوتی ہے تو اس کا اپنا مزاج بگڑا ہؤا ہے۔ شیرینی میں کسی قسم کی کڑواہٹ پیدا نہیں ہوئی۔ محلِ فاسد کی وجہ سے شیرینی تلخ ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ مفصّل ذکر ہو چکا۔ پس ثابت ہؤا کہ جو کچھ حق تعالیٰ کی طرف سے پہنچتا ہے سب خیر و برکت و بہتری و ہدایت ہے۔ وُہی خیر و ہدایت محلِ فاسد میں فساد پیدا کرتی ہے۔ پس ثابت ہؤا کہ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ وُہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

قطبِ اِرشاد جو کمالاتِ فردیہ کا بھی جامع ہوتا ہے بہت عزیز الوجود ہے۔ بہت قرنوں اور بے شمار زمانوں کے بعد اِس قسم کا گوہر ظہور میں آتا ہے اور تاریک جہاں اس کے نُورِ ظہور سے نورانی ہوتا ہے اور اس کے اِرشاد و ہدایت کا نورِ محیط عرش سے لے کر فرش تک تمام جہان کو شامل ہے۔ جس کسی کو رُشد و ہدایت اور اِیمان و معرفت حاصل ہوتی ہے اسی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے واسطہ کے بغیر کوئی اِس دولت کو نہیں پا سکتا۔ مثال کے طور پر یوں سمجھو کہ اس کے نُور نے دریائے محیط کی طرح تمام جہان کو گھیرا ہؤا ہے اور وُہ دریا گویا منجمد ہے کہ بالکل حرکت نہیں کرتا۔ اور وہ شخص جو اس بزرگ کی طرف متوجّہ ہے اور اس کے ساتھ اخلاص رکھتا ہے یا یہ کہ وُہ بزرگ طالب کے حال پر متوجّہ ہو۔ اور توجّہ کے وقت گویا روزن طالب کے دِل میں کھل جاتا ہے۔ اور اس راہ سے اخلاص و توجّہ کے موافق اس دریا سے

سیراب ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی وُہ شخص جو ذکرِ الٰہی میں متوجّہ ہے اور اس عزیز کی طرف بالکل متوجّہ نہیں۔ اِنکار سے نہیں بلکہ اس کو پہچانتا نہیں ہے تو اِسی قسم کا افادہ یہاں بھی حاصل ہو جاتا ہے لیکن پہلی صُورت دُوسری صورت کی نِسبت زیادہ فائدہ ہے لیکن وُہ شخص جو اس بزرگ کا منکر ہے یا وُہ بزرگ اس سے بیزار ہے ہر چند وُہ ذِکرِ الٰہی میں مشغول ہو لیکن رُشد و ہدایت اور فیض کی حقیقت سے محروم ہے۔ وُہی اِنکار اور آزار اس کے فیض کا مانع ہے بغیر اس کے کہ وُہ عزیز اس کے عدم افادہ کی طرف متوجّہ ہو اور اس کے ضرر کا قصد رکھتا ہو ہدایت کی حقیقت اس سے مفقود ہے۔ ظاہر میں تو رُشد دکھائی دیتا ہے مگر حقیقت میں صورت بے معنی ہے جس کا کچھ معنی نہیں اور لوگ جو اَب عزیز کے ساتھ محبّت و اخلاص رکھتے ہیں گو مذکور کی توجّہ اور ذِکرِ الٰہی سے خالی ہوں مگر اُن کو صرف محبّت ہی کی وجہ سے رُشد و ہدایت کا نور حاصِل ہو جاتا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

طریقۂ علیا نقشبندیہ کی فضیلت اور اس میں داخل ہونے کی ترغیب!

صُوفیائے کرام کے طریقوں میں سے طریقۂ نقشبندیہ کا اِختیار کرنا بہت ہی بہتر اور مناسب ہے کیونکہ ان بزرگوں نے سُنّت کی متابعت کو لازم پکڑا ہے اور بدعات سے کنارہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ان کو متابعتِ سُنّت کی دولت حاصل ہو اور احوال کچھ نہ رکھتے ہوں تو بھی خوش ہیں۔ اور اگر احوال کے باوجُود متابعتِ سُنّت میں فتور ہے تو ایسے احوال کو پسند نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے سماع و رقص کو اِختیار نہیں کیا۔ اور جو احوال اس پر مترتّب ہوتے ہیں اُن کا اِعتبار نہیں کیا۔ بلکہ ذِکرِ جہر کو بھی بدعت سمجھ کر اس سے منع فرمایا ہے اور جو فوائد اس سے حاصِل ہوتے ہیں اُس کی طرف توجّہ نہیں کی۔

ایک روز کھانے کی مجلس میں یہ فقیر خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر تھا کہ خواجہ صاحب کے مُخلصوں میں سے شیخ کمال نے طعام شروع کرتے وقت حضور کی موجُودگی میں بِسم اللّٰہ کو

بلند آواز سے کہا۔ آپ کو ناخوش معلوم ہوا۔ اُس کو بہت جھڑکا اور فرمایا کہ ہماری مجلسِ طعام میں حاضر نہ ہوا کرے۔

اور خواجہ صاحب سے ہم نے سُنا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ تمام علماء بخارا کو جمع کر کے حضرت میر کلال کی خانقاہ میں لے گئے تاکہ اُن کو ذِکرِ جہر سے منع فرمائیں علمائے حضرت میر کی خدمت میں عرض کیا کہ ذِکرِ جہر بدعت ہے نہ کیا کریں۔ انہوں نے جواب میں فرمایا۔ نہ کریں گے۔

سوال۔ طریقہ نقشبندیہ میں سُنّت کی متابعت لازم ہے حالانکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عجیب عجیب ریاضتیں فرمائی ہیں اور سخت بھُوک اور پیاس برداشت کی ہے۔ اِس طریق میں منع کرتے ہیں۔ بلکہ ریاضتوں کو حِسّی اور صُوری کشف کے ظہُور کی وجہ سے مُضر جانتے ہیں۔ بڑے تعجّب کی بات ہے کہ سُنّت کی متابعت میں ضرر کا اِحتمال کیسے متصوّر ہو سکتا ہے۔

جواب۔ کِس نے کہا ہے کہ ریاضتیں اِس طریق میں منع ہیں اور کہاں سے سُنا ہے کہ ریاضتوں کو مُضر جانتے ہیں۔ اِس طریق میں ہمیشہ سُنّت کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کی متابعت کو لازم جانتے ہیں اور احوال کے چھپانے میں کوشش کرتے ہیں۔ اور سخت ریاضتوں اور مشکل مجاہدوں سے کھانے، پینے اور پہننے میں حدِّ اعتدال کو مدِّ نظر رکھتے اور میانہ روی اِختیار کرتے ہیں اور جاہل لوگ اِن باتوں کو ریاضتوں سے نہیں گنتے اور نہ ہی ان کو مجاہدہ میں شمار کرتے ہیں۔ ریاضت و مجاہدہ ان کے نزدیک صرف بھُوک ہی میں منحصر ہے۔ اور بہت بھُوکا رہنا ان کے نزدیک بڑا مجاہدہ ہے کیونکہ ان چارپاؤں کے نزدیک کھانا ہی نہایت ضروری اور اعلیٰ مقصد ہے اِس لئے اس کا چھوڑنا ان کے نزدیک بڑی مشکل ریاضتوں اور سخت مجاہدوں میں سے ہے اور سُنّت کی دوام محافظت اور اس کی متابعت اور اِس قسم کی اور باتوں کا عوام کی نظر میں کچھ قدر نہیں

تاکہ ان کو ترک کر دیں جو عوام کی نظروں میں زیادہ قدر دانی اور خلقت کی قبولیت اور شہرت کا باعث ہو کیونکہ شہرت میں آفت اور شرارت ہے۔ قَالَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ بِحَسْبِ الْمَرْءِ مِنَ الشَّرِّ اَنْ یُّشَارَ اِلَیْہِ بِالْاَصَابِعِ فِیْ دِیْنٍ اَوْ دُنْیَا اِلَّا مَنْ عَصِمَہُ اللّٰہُ۔ آدمی کے لیئے یہی شر کافی ہے کہ دین و دُنیا میں انگشت نما ہو مگر جس کو اللہ تعالیٰ بچائے۔ فقیر کے نزدیک ماکولات میں حدِ اعتدال کو مدِّنظر نہ رکھ کر دُور دراز بھُوک کا برداشت کرنا بہت آسان ہے لیکن کثرتِ جُوع کی نسبت میانہ روی کو مدِّ نظر رکھنا زیادہ ریاضت میں داخل ہے۔

حضرت والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ علمِ سلوک میں مَیں نے ایک رسالہ دیکھا ہے جس میں لکھا ہے کہ ماکولات میں اعتدال اور حدِّ اوسط کو نگاہ رکھنا مطلوب و مقصود حاصل کرنے کے لیئے کافی ہے۔ ان رعائیتوں کے ہوتے ہُوئے زیادہ ذکر و فکر کی کچھ حاجت نہیں۔ بے شک کھانے، پینے اور لباس بلکہ تمام اُمور میں توسّط اور میانہ روی بہت ہی اچھی ہے۔

اِتنا نہ کھانا چاہیئے کہ مُنہ کے رستہ باہر نکل آئے
نہ اتنا کم کہ ضعف کے مارے جان نکل جائے

حضرت حق تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم کو چالیس آدمیوں کی قوّت عطا فرمائی تھی جس کے سبب آپ اس قدر سخت بھُوک پیاس برداشت کر سکتے تھے اور اصحابِ کرام بھی آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت کی برکت سے اس بوجھ کی طاقت رکھتے تھے اور اُن کے افعال و اعمال میں کسی قسم کا خلل و فتور واقع نہ ہوتا تھا اور باوجود بھوک کے دشمنوں کی لڑائی پر اس قدر طاقت رکھتے تھے کہ پُر شکم آدمیوں کو اس کا دسواں حصّہ بھی حاصل نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ بیس صابر آدمی دو سو کفّار پر غالب آجاتے تھے اور سَو آدمی ہزار پر غلبہ پا جاتے تھے اِصحاب کے سوا اور لوگ بھوک برداشت کرنے والے تو مستحب اور سُنتوں کو بھی بجا نہ لا سکیں۔ بلکہ ممکن ہے کہ فرائض کو بھی بڑی مشکل سے ادا کر سکیں۔ بغیر طاقت کے اس امر میں

اصحاب کی تقلید کرنا اپنے آپ کو سُنّت و فرائض کو بجالانے میں عاجز کرنا ہے۔
منقول ہے کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو دیکھ کر وصال کے روزے شروع کئے۔ ضعف و ناتوانی کے مارے بے اختیار زمین پر گر پڑے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے بطریقِ اعتراض فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو میری طرح ہو میں رات کو اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں۔ وُہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ پس قدرت کے بغیر تقلید کرنا اچھا نہ جانا۔ نیز اصحابِ کرام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت کی برکت کی وجہ سے کثرتِ بھوک کی خفیہ مضرّتوں سے محفوظ و مامون تھے۔ اور دُوسروں کو یہ حفظ و امن میسّر نہیں ہے۔ اِس کا بیان یہ ہے کہ کثرتِ جُوع بے شک صفائی بخش ہے کسی کے قلب کو اور کسی کے نفس کو صفائی بخشتی ہے صفائیِ قلب سے ہدایت و نور بڑھتا ہے اور صفائیِ نفس سے گمراہی و ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ یُونان کے فلسفیوں، ہند کے برہمنوں اور جوگیوں کو بھوک کی ریاضت نے نفس کو صفائی بخش کر اُن کو گمراہی و خسارت میں ڈال دیا۔ افلاطون کم عقل اپنے نفس کی صفائی پر بھروسہ کر کے اپنی خیالی کشفی صورتوں کو اپنا مقتدا بنا کر مغرور ہو گیا۔ اور حضرتِ مُوسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جو اس وقت مبعوث ہوئے تھے اُن کا معتقد نہ ہُوا۔ اور یُوں کہا کہ ہم ہدایت یافتہ لوگ ہیں ہمیں کسی ہادی کی ضرورت نہیں۔ اگر اُس میں یہ ظلمت بڑھانے والی صفائی نہ ہوتی، اس کی کشفیہ خیالی صُورتیں سدِّ راہ نہ ہوتیں اور مطلب حاصل کرنے سے اس کو مانع نہ ہوتیں۔ اس صفائی کے گمان سے اُس نے اپنے آپ کو نورانی سمجھا اور یہ نہ جانا کہ یہ صفائی اس کے نفسِ امّارہ کے رقیق پوست سے آگے نہیں گذری اور اس کا نفسِ امارہ اپنی پہلی خبث و نجاست پر ہے۔ اِس کی مثال ایسی ہے جیسے نجاستِ غلیظ کو شکر سے غلافی کر دکھلائیں۔ قلب جو اپنی ذات میں پاکیزہ اور نورانی ہے اس پر نفس ظلمانی کی ہم نشینی سے زنگار چھا جاتا ہے۔ تھوڑے سے تصفیہ سے اپنی اصلی حالت پر لوٹ آتا ہے اور نورانی ہو جاتا ہے برخلاف نفس کے کہ بالذّات خبیث ہے اور ظلمت اس کی ذاتی صفت ہے۔

جب تک قلب کی سیاست سُنّت کی متابعت اَور شریعتِ غرّا کے اِتّباع بلکہ محض فضلِ خداوندی سے پاک وصاف نہ ہو جائے تب تک اُس کا خبثِ ذاتی زائل نہیں ہوگا اَور فلاح وبہبُودی اس سے متصوّر نہ ہوگی۔ افلاطون نے کمالِ جہالت سے اپنے نفس کی صفائی کو مُوسوی قلب کی صفائی کی مانند سمجھا اَور اپنے آپ کو ان کی مانند پاک ومطہّر ومہذّب خیال کیا اَور اُن کی متابعت کی دولت سے محرُوم رہا اَور خسارتِ ابدی اس کو حاصل ہوئی۔ چُونکہ اِس قسم کی مضرت بھوک کی ریاضت میں پوشیدہ تھی۔ اِس طریقۂ علیہ کے بزرگوں نے ریاضتِ جُوع کو ترک کر دیا اَور کھانے پینے میں اعتدال کی ریاضت اَور میانہ روی کے مجاہدہ کا امر فرمایا اَور بھُوک کے نفعوں کو مدّنظر رکھا اَور اس کے ضرر سے چشم پوشی کی اَور بھوک کی ترغیب دی۔ عقلمندوں کے نزدیک بہتر ہے کہ ضرر کے احتمال پر بہت سے نفعوں کو چھوڑ سکتے ہیں اَور اسی بات کے نزدیک ہے جو عُلماء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی امر سُنّت وبدعت کے درمیان دائر ہو تو سُنّت کے بجالانے سے بدعت کا ترک کرنا بہتر ہے یعنی بدعت میں ضرر کا احتمال ہے اَور سُنّت میں نفع کی اُمّید۔ پس ضرر کے احتمال کو نفع کی اُمّید پر ترجیح دے کر بدعت کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ عجب نہیں کہ سُنّت کے بجالانے میں کسی اَور طرح سے ضرر پیدا ہو جائے۔ اس بات کی حقیقت یہ ہے کہ وُہ سُنّت گویا اس زمانہ پر موقت ہے۔ جب بعض لوگوں نے بوجہ وقت اَور خفا کے اس کے موقوت ہونے کو معلوم نہ کیا۔ ناچار اس کی تقلید میں جلدی کی۔ اَور بعض نے اس کو موقت جان کر اس کی تقلید اختیار نہ کی۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ

شجرہ حضراتِ خواجگانِ نقشبندیہ مجددیہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یاالٰہی اپنی ذاتِ کبریا کے واسطے
فضل کر مجھ پر محمد مصطفےٰ کے واسطے

عاصی و خاطی ہوں یارب بخش سب میرے گناہ
حضرتِ صدیقِ اکبر مجتبیٰ کے واسطے

نورِ وحدت سے مرے دِل کو منور کر اِلٰہ
حضرتِ سلمان فارسؓ مرتضےٰ کے واسطے

ہو زباں پہ ذکر ہر دم اور دل میں ہو حضور
حضرتِ قاسمؒ امامِ اولیا کے واسطے

جس طرف دیکھوں نظر آئے مجھے تیرا ہی نور
جعفرِ صادقؓ اِمامِ دوسرا کے واسطے

اُلفتِ دُنیا نکل جائے مرے دل سے تمام
بایزیدؒ نامور شمسُ الضحیٰ کے واسطے

آتشِ عشقِ نبی میں جان و تن میرا جلا
بُوالحسنؒ خرقانی بدرالدجےٰ کے واسطے

نفس و شیطاں کے فریبوں سے مجھے لیجیو بچا
بُو علی فارمدیؒ نورِ ہدیٰ کے واسطے

زنگِ عصیاں سے مرے سینے کو یارب صاف کر
یوسفِ ہمدانیؒ اہلِ صفا کے واسطے

غرق ہوں بحرِ گناہ میں اَے مرے مولےٰ بچا
عبدِ خالق غجدوانیؒ رہنما کے واسطے

قولِ ثابت پر مجھے ثابت قدم رکھ اے خُدا
خواجۂ عارفؒ ولی بحرِ سخا کے واسطے

خوابِ غفلت میں پڑا ہوں روز و شب مجھ کو جگا
خواجۂ محمود کامل بے ریا کے واسطے

پردۂ دُوئی مرے دل سے سراسر دُور کر
خواجۂ علی رامیتنیؒ کانِ حیا کے واسطے

تشنۂ دیدار ہوں یارب دِکھا نورِ جمال
خواجۂ بابا سماسیؒ بادشاہ کے واسطے

راہِ سُنت پر مجھے چلنے کی طاقت کر عطا
خواجۂ میرِ کلالؒ باوفا کے واسطے

سرِّ وحدت نورِ عرفاں کر دے مجھ پہ آشکار
نقشبندِ بادشاہ مشکل کشا کے واسطے

تیرے ذکر و فکر سے غافل نہ گذرے ایک دم
شاہ علاؤالدین صاحبِ اتقا کے واسطے

ایسی اُلفت دے کوئی دم ہوں نہ میں تجھ سے جُدا
خواجۂ احرار تاجِ اصفیا کے واسطے

مشکلیں آساں ہوں دُنیا و عقبیٰ کی تمام
خواجۂ زاہد محمّد بانوا کے واسطے

ظاہری اور باطنی بیماریاں سب دُور کر
شیخ درویش محمّد مہتدا کے واسطے

نیک لوگوں کی خدایا ہو مجھے صحبت نصیب
خواجۂ امکنگی طالب رضا کے واسطے

اپنے ذوق و شوق میں یارب مجھے کیجیو فنا
شیخ باقی باللہ شیخ الوریٰ کے واسطے

دم بدم بڑھتا رہے دل میں مرے شوقِ لقا
شیخ سرہندی حبیبِ کبریا کے واسطے

کھول دے دل پر مرے رازِ طریقت اے خُدا
خواجۂ معصوم شاہِ اتقیا کے واسطے

بخش توفیقِ عبادت اور بدی مجھ سے لے ہٹا
حجّت اللہ صاحبِ جُود و غنا کے واسطے

مرتے دم یارب مرا ایمان پر ہو خاتمہ
خواجۂ عالی زبیرِ پُر عطا کے واسطے

دُشمنانِ دین و دُنیا سے مجھے محفوظ رکھ
خواجۂ اشرف محمّد ماہِ لقا کے واسطے

اپنے درد و عشق میں کیجیو عطا مجھ کو کمال
شاہ جمال اللہ صاحبِ اقتدا کے واسطے

یاد میں تیری ہو زندہ یہ دلِ مُردہ مرا
خواجۂ عیسیٰ چو عیسیٰ فی السّما کے واسطے

حال میرا قال کے یارب موافق کیجیو
شیخ فیض اللہ تارکِ ماسوا کے واسطے

سر سے لے پاؤں تلک پُر نور ہر اک بال ہو
خواجۂ نورِ محمّد پارسا کے واسطے

لے خبر میری خدایا بے کس و بے چارہ ہوں
قبلۂ عالم فقیر مقتدا کے واسطے

اپنے در سے مجھ کو نااُمید مت چھوڑ اے کریم
حافظ عبد الکریم پیشوا کے واسطے

جہل و غفلت اور ضلالت سے رہا کر اے کریم
حضرت عبد الرحمٰن باحیا کے واسطے

غفلت و دُوئی کا پردہ دل سے دُور کر اے غفور
حضرت محبوب الرحمٰن محبوبِ خدا کے واسطے

خستہ حالی پر مری یارب نگاہِ لُطف کر
اولیاء و اصفیاء و انبیا کے واسطے

بڑھ گئیں حد سے زیادہ میری بدکرداریاں
بخش مجھ کو شافعِ روزِ جزا کے واسطے

گرچہ مَیں عاصی ترے دربار کے لائق نہیں
پر بتا جاؤں کہاں مَیں اِلتجا کے واسطے

رُوسیاہ شرمندہ و نادم کِیے اپنے پہ ہُوں
آ گرا در پر ترے مَیں اَب دُعا کے واسطے

خواجگانِ نقشبندی کی محبّت کر عطا
قادری و سُہروردی، چِشتیا کے واسطے

اِن بزرگوں کی شفاعت کر مرے حق میں قبُول
حشر میں ہوں سب وسیلہ اِس گدا کے واسطے

آسرا دونوں جہاں میں کچھ نہیں ان کے سِوا
بندۂ مسکین و عاجز پُر خطا کے واسطے